مکمل ناول

ایک پھل موتیے دا

فائزہ افتخار چندا

گیسوئے شام میں ایک ستارہ ایک خیال
دل میں لئے پھرتے ہیں تمہارا ایک خیال
بامِ فلک پر سورج چاند ستارے تھے
ہم نے بیاضِ دل پہ اتارا ایک خیال

فائزہ افتخار کی خلافِ معمول ایک ہنستی، مسکراتی، کھلکھلاتی تحریر جو یقینا آپ کے لبوں پر شگوفے کِھلا دے گی۔

Aneela Pakistanipoint

"اوہو' بے بے.... آفٹر آل آئی ایم..... گریجویٹ!"

"بے غیرتا' ماں کو انگریجی میں جھڑکیاں دیتا ہے۔"

"استغفار' استغفار.... بے بے میں تجھے جھڑکیاں دوں گا؟ اپنی ماں کو... یہ کیسے سوچ لیا؟"

"جب بھی تو انگریجی مارتا ہے۔ ایسی مٹے منہ شکل بناتا ہے' کوڑے کوڑے زہر منہ' ناک پھول جاتی ہے اور آنکھیں سیدھی ماتھے پر چڑھ جاتی ہیں۔ وئے کی طرح میرے کلیجے پر آ کے لگتی ہے تیری انگریجی۔" بے بے نے ماتھا پیٹا۔

"او گاڈ.....!" حمید جنجوعہ عرف میدا نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔ "میری قابلیت اور ذہانت کی کوئی قدر ہی نہیں کسی کو۔ میری تعلیم رُل رہی ہے۔ او مائی ڈیئر بے بے ..... میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ میں گریج..... میرا مطلب ہے کہ چودہ جماعتیں پاس ہوں اور وہ صرف آٹھویں تک پڑھی ہوئی ہے۔"

"غیر کی ہویا..... تیرا ابا نو جماعتیں پڑھا تھا اور میں الف کا بے نہیں جانتی تھی۔ پینو تو فیروی تیرے آدھ برابر ہے بلکہ آدھ سے ایک جماعت اوپر ہی ہے۔"

"مجھے نہیں چاہیے کوئی آدھ برابر۔" وہ چڑ گیا۔

"تو تجھے کیا اٹھائیس جماعتاں پاس وو ہٹی چاہیے۔" وہ طیش میں آ گئیں "تاکہ دوجے پڑھے لکھوں کی طرح تو بھی زنانی کے "تھلے لگ جائے۔" انہوں نے مشہورِ زمانہ طعنہ مارا۔ اس طعنے سے وہ اب تک اپنے چار بھائیوں کو فیض یاب کر چکی تھیں بلکہ اپنی والدہ محترمہ..... بہشتن کو بھی اُسی "تھلے لگ جانے" والے طعنے کا تسلی بخش ورد کرتے وہ بچپن سے سنتی آ رہی تھیں۔ یہ ان کا خاندانی' جدی پشتی طعنہ تھا۔

"پہلے بے بے اپنی ہانڈی کی تو فکر کر۔ میرا خیال ہے' ساگ "تھلے لگ" گیا ہے۔ جلنے کی بو آ رہی ہے۔"

"زیادہ "ناسیں نہ چڑھا۔" (نتھنے نہ پھلا)۔ ساگ گوانڈیوں (ہمسائیوں) کے گھر پک رہا ہے۔ میری بلا سے جلے یا سڑے۔" انہوں نے موضوع سے ہٹنا گوارا نہ کیا "پہلے تیرا معاملہ صاف کر لوں۔ اب بتا کتنی سو جماعتیں

Aneela Pakistanipoint

پڑھی دو اسٹی چاہیے تجھے؟"

"کم از کم ایف اے تو ہو۔"

"ہاں تو پھر تو بھی کم از کم چار پانچ ہزار تو کماتا ہو۔"

ایک اور طعنہ۔

"بے بے، مجھے ہر وقت یہ طعنے نہ دیا کر۔ میں کوئی بے کار بیٹھا ہوں.....؟ صبح سے شام تک....."

بے بے نے اس کی بات مکمل نہ ہونے دی۔ "ہاں ہاں..... صبح سے شام تک سڑکوں پر خجل خوار ہوتا ہے کہ شاید رستے میں صدر یا وزیر اعظم مل جائے اور تیرا ہاتھ پکڑ کر تجھے گورنر کی کرسی تک گھسیٹتا لے جائے۔ او کم عقلا..... کیوں رزق کی ناشکری کرتا ہے۔ کیوں روزگار کو لات مارتا ہے۔ تیرے پیو (باپ) کا کیسا برکت والا کاروبار ہے۔ جنگ بھی لگی ہو تو لوگ ہانڈی پکانا تو نہیں چھوڑ سکتے۔ سبزی ترکاری تو ہر حال میں سارے خریدتے ہیں چاہے مہنگائی ہو، چاہے ہڑتالیں..... بیماری کی وجہ سے چھ سات دن مہینے میں "ہٹی" (دکان) بند رہتی ہے پھر بھی کتنی کمائی ہے۔ اگر تو وہاں بیٹھنا شروع ہو جائے تو کتنا سکھ ہو۔ تیرا پیو بھی آرام کرلے، تیرا بھی کہیں ٹھکانا ہو۔ گواچی گاں کی طرح سارے لہور..... میں لور لور کرتا پھرتا ہے۔"

"بس..... بس..... یہ دو ہی کام تو رہ گئے دنیا میں میرے کرنے کو، ہے ناں؟ ایک تو ٹنڈے بھنڈی بیچنا شروع کر دوں اور دوسرا اس بینو چھینو سے شادی کر لوں۔"

"ہاں..... ایہہ ہوئی ناں گل۔" بے بے نے فاتحانہ انداز میں سر ہلایا جیسے اکلوتے سپوت کو اس کی زندگی کے مقاصد سے روشناس کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔

"اب میری بات سمجھا ہے، شاباش پتر شاباش۔ شاوا میرا بیبا پتر!" وہ خوشی سے نہال ہو گئیں۔ حمید ہار مان کر اٹھ کھڑا ہوا پھر باہر جاتے جاتے رک کر انہیں دوبارہ باور کرایا۔ اس خیال سے کہ کہیں اپنی غلط فہمی یا خوش فہمی میں وہ کہیں پورے محلے میں اس کی رضامندی نشر نہ کروا دیں۔

"بے بے، میں کہہ دیتا ہوں، یہ ناممکنات میں سے ہے۔"

"کی؟" وہ ہڑبڑا کر اچھل پڑیں پھر چارپائی کے نیچے جھانکنے لگیں۔

"کی اے؟ کون اے؟..... جنات میں سے؟" وہ اب بوکھلا کر تکیہ اٹھا کے جھاڑنے لگیں۔ حمید نے اپنی اردو کو ذرا لپیٹ کر ایک طرف رکھا، جہاں پہلے ہی اس کی ادھ موئی انگریزی جمائیاں لیتی آنکھیں موند رہی تھی۔

"اوہو، میں نے کہا، یہ نہیں ہو سکتا۔ کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ نہ تو میں ابا کی ہٹی پر بیٹھوں گا نہ بینو چھینو سے شادی کروں گا۔"

"فیر بینو چھینو! کتنی بار کہا ہے صرف بینو تیری منگ ہے، چھینو تو اس کی وڈی بہن ہے جو تین سال پہلاں ویاہی گئی ہے۔ تو بھی جھلا ہی ہے میدے۔ دو بہنوں سے کیسے شادی ہو سکتی ہے، بڑا سخت گناہ ہوتا ہے۔ تجھے کسی ماشٹر نے اتنا بھی نہیں بتایا۔ اوئے تیرا ویاہ خالی بینو سے ہونا ہے۔"

"نہ خالی بینو سے اور نہ بھری ہوئی بینو سے۔" وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا آخر بے بے اس کی بات کو سنجیدگی سے کیوں نہیں لے رہیں۔

"بس آئندہ میرے سامنے یہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"چل چل..... وڈا آیا اپنی چودھراہٹ دکھانے والا ماں کو انگلی دکھا رہا ہے۔" وہ بھڑک اٹھیں اس کے تنبیہی انداز کو دیکھ کر۔

"وڈا اپنے آپ کو چودہ جماعتاں پاس کہتا ہے۔ اتنی تمیز نہیں کہ ماں سے بات کیسے کرنی ہے۔ لال ڈیلے نکال کر پھوں پھوں کرتا پھر رہا ہے۔ ناں، اتنے سالوں میں تو نے ایک کتاب بھی ایسی نہیں پڑھی جس میں لکھا ہو کہ ماں کے پیروں کے نیچے جنت ہوتی ہے؟"

"مجھے بھی پتا ہے کہ ماں کے پیروں تلے جنت ہوتی ہے۔" بے بے کا دکھ بھرا انداز دیکھ کر اس کا جارحانہ طرزِ عمل ذرا سا کمزور پڑا۔

"لیکن مجھے یہ بھی پتا ہے کہ ماں کے سینے میں ایک نازک سا نرم سا دل ہوتا ہے جو اولاد کی تکلیف پر تڑپ

جاتا ہے لیکن..... لیکن بے بے اب کیا ہو گیا ہے تجھے، کیوں نہیں اب میری تکلیف تجھے محسوس ہوتی۔" کمال کی ڈراما بازی کی گئی۔ جو سر ہے ہو گئی۔

"ہیں؟..... میرا پتر..... میرا چن..... تو تکلیف میں ہے؟" بے بے گھبرا اٹھیں۔ اس نے ان کی گھبراہٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے خرانٹ تاثرات میں مسکینی اور لاچاری کا میک اپ کرتے ہوئے مزید ڈائیلاگ جھاڑے۔

"ماں تو بیٹے کے دل میں بیٹھی ہوتی ہے۔"

"ناں میں اپنی منجی پر ہی بنی ہوں۔" انہوں نے نفی میں سر ہلا کر اس کے جذباتی تجزیے کی تردید کی۔

"ماں تو بیٹے کی ایک تکلیف پر تڑپ اٹھتی ہے۔"

"تو جب سے پیدا ہوا ہے، تڑپ ہی تو رہی ہوں۔"

"اس کی ہر خواہش پوری کرنا ماں پر فرض ہوتا ہے۔" حمید نے بھی ہمت نہ ہاری اور مسلسل پتھر سے سر پھوڑتا رہا اور پھر وہی ہوا..... جو پتھر سے سر پھوڑنے پر سر کا ہوتا ہے..... بے بے نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، قریب رکھا اپنا بڑا سا لکڑی کا کنگھا اس کے سر پر دے مارا۔

"فرض کتنے یاد کرا رہا ہے ماں کو۔ ماں کا حق کیا ہوتا ہے، یہ میں تجھے یاد کراؤں؟"

"ایسے ہی باؤنسر مارتی رہی تو رہی سہی یادداشت بھی چلی جائے گی۔" اس نے سر سہلاتے ہوئے فریاد کی۔

"چلی جائے۔" بے بے نے سنگ دلی کی انتہا کرتے ہوئے بے پروائی سے ہاتھ ہلایا۔

"اب رہا ہی کیا ہے تیرے پلے، خون ساڑ ساڑ کے رنگ تو کانجی جیسا کر ہی لیا ہے۔ اک اک جماعت میں دو دو تین تین سال لگا کر آنکھوں پر یہ کھوپے بھی چڑھا لیے ہیں۔ سڑکوں پر خجل خوار ہو کے ماڑا بھی ہوتا جا رہا ہے۔ آنکھ سے شرم، زبان سے لحاظ، دل سے عزت بھی کب کی مک مکا گئی ہے۔ یادداشت کو چاٹنا ہے، جاتی ہے تو جائے۔"

"اُف، بے بے، تجھے میرا ذرا خیال نہیں۔" وہ اس صاف گوئی پر تلملا اٹھا۔ نظر کی یہ عینک اور رنگت کا یوں

نتھ ہر دُلہن کے چہرے کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہے، میرا یہ مشورہ ہے کہ ہر دُلہن کو اس طرح کی گول نتھ ضرور پہننی چاہیے۔ ← مدیحہ عالم، کراچی

ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں جن کی گردن لمبی ہو وہ دُلہن بنتے ہوئے موتیے کی لڑیاں دونوں اطراف میں سجائیں، جیسے میں نے سجائی ہیں۔ ← صائمہ، کراچی

Aneela Pakistanipoint

روز بروز اندھیروں کی جانب بڑھتے جانا' ان کی تشویش کا ٹھیک ٹھاک باعث تھے۔

"خیال ہے' میرے چن پتر' خیال ہے تبھی تو تجھے اپنے ساتھ پنڈ لے جا رہی ہوں۔ اچھی آب و ہوا' صاف ستھرا ماحول اور خالص خوراکاں تیری جون بدل ڈالیں گی۔" مصلحتاً ذرا سی نرمی لہجے میں پیدا کی۔

"ہائی داوے بے بے....." اس نے پُرشوخ انداز میں سر ہلایا۔ "یہ جو ہیںنو محترمہ ہیں' ان کا شمار خالص خوراکاں میں ہوتا ہے یا....."

"پراں مر....." اچھا بھلا امڈ امڈ کر آنے کی کوشش کرتا لاڈ اڑن چھو ہو گیا۔

"او جھلیا' چنگی زنانی بھی ایک نعمت ہوتی ہے۔ شکر کر کہ تیری ماں زندہ ہے تیرا اچھا بھلا سوچنے کے لیے' ایسی رج کے سوہنی کرمانوالی وو، سٹی تیرے لیے چنی ہے کہ تو بھی کیا یاد کرے گا۔ ہیںنو جیسی وو، سٹی تو چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی ملے گی۔"

"مجھے چراغ کی روشنی میں پسند کی ہوئی دُلہن چاہیے بھی نہیں۔" اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے۔

"ہونہہ' چراغ کی روشنی..... مجھے تو بلب کی روشنی پر بھی بھروسا نہیں' اچھی بھلی گوری چٹی رنگت بلب کی پیلی مدھم روشنی میں پرقان کی ماری ہوئی لگتی ہے اور چراغ.... اس کی ٹمٹماتی برائے نام روشنی میں تو آپ نصیبو لال کو بھی میرے سامنے لا کھڑا کریں تو وہ بھی زارا شیخ ہی لگے گی۔"

"ہیں....." زارا شیخ کے نام پر ان کے کان کھڑے ہوئے۔

"یہ شیخوں کی لڑکی کو تو کیسے جانتا ہے؟ ان کے گھر تو بڑا سخت پردہ ہے۔" انہوں نے پچھلی گلی میں رہنے والے شیخ نذر علی کا ذکر کیا۔

"ہا....." حمید نے تھک ہار کر ایک گہری سانس بھری اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "ہوریبل..... امپاسبل....."

"یہ کیا بلے بلے لگا رکھی ہے؟"

"بس بے بے... بس..... خدا کا واسطہ ہے بس..... میں باہر جا رہا ہوں اس سے زیادہ کی مجھ میں ہمت نہیں۔" اس کے پسینے چھوٹ گئے۔

"ہاں تو ہمت آئے گی کہاں سے۔ سویرے چائیں دا پاپے ڈبوتا ہے' شڑ شڑ کر کے کھاتا ہے فیر دوپہر نہ جانے کہاں سے بل گل (برگر) تن کے آتا ہے (ٹھونس کے) اور رات کو سویّوں پر سالن ڈال کے کھاتا ہے' بھلا کوئی سویّوں پر بھی سالن ڈالتا ہے۔"

"او بے بے' کتنی بار بتایا ہے' اسے نوڈلز کہتے ہیں۔"

"کھے تے سواہ کہتے ہیں (خاک دھول)۔ بے رونقے اور بے برکتے کھانے کھا کھا کر مت ماری گئی ہے۔ اسی لیے کہتی ہوں کہ میرے ساتھ پنڈ....."

لیکن ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ان کا لاڈلا میدان کی پہنچ سے باہر ہو چکا تھا۔ اس نے بے بے کے ری اسٹارٹ ہوتے ہی باہر نکلنے میں دیر نہ لگائی۔

✪✲✪

میں تمہیں کیا بتاؤں یار' میری مام کتنی ضدی ہیں۔" حمید جنجوعہ عرف ہومی نے اپنے جگری یار محمود بٹ عرف موی کے آگے دکھڑا رویا۔ دونوں نے اکٹھے ہی دیال سنگھ کالج کو پورے سات سال تک رگڑا تھا پھر بی۔اے کا پل صراط پار کرنے کے بعد حمید جنجوعہ نے تو توبہ کر لی مگر محمود بٹ نے پنجاب یونیورسٹی کی بھی مٹی پلید کرنے کی قسم کھائی اور اب پچھلے ڈیڑھ سال سے وہ یہاں کے خالص زنانہ وارڈ یعنی سوشیالوجی میں خود کو زبردستی گھسائے ہوئے تھا اور یہ ڈیڑھ سال حمید نے..... یعنی ہومی نے بھی یونہی نہیں ضائع کیے تھے۔ اپنی تھرڈ ڈویژن میں لی گئی بی اے کی ڈگری (جو کہ کئی قسطوں میں حاصل کی گئی تھی) ہاتھ میں لے کر بڑی بڑی کمپنیوں' فیکٹریوں اور دفتروں کے چکر لگائے تھے کہ شاید کہیں چیف ایگزیکٹو' جنرل منیجر یا پھر ڈائریکٹر جنرل کی پوسٹ خالی ہو اور وہ اس پر رونق افروز ہو کر ملک و قوم کی خدمت کر سکیں..... مگر شومیِ قسمت کہ کسی نے اس کے ٹیلنٹ اور ذہانت کی قدر نہ کی اور اپنی ہر ناقدری کا رونا رونے کے لیے اس کے پاس ایک ہی بندہ تھا۔ موی۔

اس بار تو زمانے والوں کے ساتھ اپنے بھی زخم

دینے والوں میں شامل ہو گئے تھے۔ جب سے اس نے بی۔ اے کے امتحان میں "بالآخر" سرخروئی حاصل کی تھی۔ بے بے کو رہ رہ کر اپنا "پیکا پنڈ" (میکے کا گاؤں) یاد آرہا تھا۔ میکے کی یاد کے ساتھ ہی بچپن کی سنگی سہیلیوں کی یاد بھی ستانے لگی اور ایسے ہی ایک روز اپنے چچا زاد بہن، دوپٹا بدل بہنیں اور "گوڑھی سہیلی" تاجاں کا ذکر آتے ہی وہ پھڑک پھڑک گئیں۔

"بیڑا غرق میری عقل کا، کیسی بھلکڑ ہوں میں بھی۔" انہوں نے سامنے بیٹھے میدے کو دوہتڑ مارا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔

"اوہو، بے بے..... جب کوئی بھولی بسری بات اچانک یاد آئے تو اپنے ماتھے پر زور کا ہاتھ مارا جاتا ہے نہ کہ ساتھ بیٹھے بے قصور کو تبڑ تبڑ پیٹا جاتا ہے۔"

"اوہو..... پر میری عقل سدھ بدھ تو تم باپ بیٹے نے مار رکھی ہے ناں۔"

"تو پھر مجھے صرف میرے حصے کا ماریں۔ ابے کا سنبھال کر رکھیں، آنے ہی والا ہو گا۔"

"لعنتیا، میں کیا اپنے سر کے سائیں پر ہاتھ اٹھاؤں گی۔"

"تو کیا حرج کیا ہے اور کوئی کسر کب چھوڑی ہے۔" اس نے آہستہ سے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"چھ سال پہلے جب میں پنڈ گئی تھی، تاجاں کی وڈی دھی کی "کڑمائی" (منگنی) پر..... تو تب بھی اس نے دبے لفظوں میں ذکر کیا تھا۔ میں تسلی دے آئی تھی کہ بس تو میری امانت سنبھال کے رکھیو، وقت آنے پر میں خود ہی لینے آجاؤں گی اور دیکھو ذرا..... چھ سال ہو گئے ہیں، میں نے پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھا ہورے وہ کیا سوچتی ہو گی۔"

"لیں..... آپ کا خیال ہے وہ اب تک سوچ میں پڑی ہوں گی آپ کی امانت لے کر۔"

مذاق اور طنز میں حمید کبھی شائستگی کا دامن نہیں چھوڑتا تھا بلکہ اگر چھوڑا ہوتا تو بھاگ کر تھام لیا کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بے بے کی کسی بات کو پکڑ کر مذاق اڑاتے وقت اس کا طرزِ تخاطب خاصا برخوردارانہ اور تمیزدارانہ ہو جاتا تھا۔ اب بھی اس نے آپ جناب کے تڑکے کے ساتھ تمسخر اڑایا۔

"او میری بھولی بے بے، ان کے پاس تو کوئی فریج بھی نہیں جہاں وہ آپ کی امانتیں فریز کر دیتیں۔ کھانی کے ڈکار گئی ہوں گی اب تک اور اچھا بھی کیا، چھ سالوں میں تو اب کیڑا پڑ گیا ہو گا۔"

"ہائے ہائے خیری صلا..... کیڑے کیوں پڑنے لگے، جیتی جان کو۔ اللہ ستے خیراں رکھے۔ آخر اسی نے میرا ویہڑا آباد کرنا ہے اور یہ کیا بکواس کر رہا ہے کہ تاجاں کھاپی گئی ہو گی۔ میرے پورے ٹبر برادری میں کوئی ڈائن نہیں۔ تیرے "دادکوں" (ددھیال) میں ہوتی ہوں گی ایسی بچے کھانیاں۔"

"جیتی جان؟..... ڈائن.....؟ بچے کھانی..... سوری بے بے میں تو سمجھا، تو نے حسبِ معمول کوئی پنجیری، کوئی لڈو، کوئی بڑیاں، کوئی گھی وغیرہ بطورِ امانت رکھوایا ہو گا۔ مجھے کیا پتا کہ گھر بار سنبھالنے کے لیے کسی نوکرانی کا بندوبست کروا کے آئی ہو گی۔"

"ہاں ہاں، بڑا مربعوں پر پھیلا حویلا ہے ناں تیرا، دو درجن جی کا ٹبر ہے جس کی روٹیاں تھپنے کے لیے میں پنڈ سے نوکرانی لے کر آؤں گی۔ اپنے رہنے کی تھاں ہے نہیں، نوکرانی لا کے کیا سر پر بٹھانی ہے۔ میں تو پینو کی بات کر رہی ہوں، اس کی نکی دھی کی۔ وہ میری امانت ہے اور اسے لانے کا اب ویلا (وقت) آگیا ہے۔"

"اور اسے لا کر کہاں رکھنا ہے، سر پر؟ ابھی خود ہی تو کہہ رہی تھیں کہ اپنے رہنے کی جگہ نہیں۔"

"تیرا ابا کہہ رہا تھا کہ اوپر کوٹھے پر برساتی گرا کر وڈا کمرا اور غسل خانہ بنائے گا۔ تسی دونوں خیر سے اوپر چلے جانا۔"

"تسی دونوں؟" وہ بوکھلا کر بے بے کو دیکھنے لگا جو اب اطمینان سے دھاگے سے خلال کرنے میں مصروف تھی۔

"کون دونوں؟"

"تو اور پینو۔"

"لاحول ولا....." وہ بدک کے اٹھا۔

"بے بے ہوش میں تو ہو، یا بالکل ہی..... کہیں ابے

کا اسپیشل حقہ تو نہیں پی لیا۔ بھلا میں اور وہ پکو... یا کیا نام ہے..... ہاں پینو.... ہم دونوں ایک کمرے میں کس طرح.... کیا کوڑے لگوانے ہیں مجھے؟ یہ اسلامی جمہوریہ ہے میری ماں..... تمہیں یہ امریکا والی ہوا کہاں سے لگ گئی؟"

"ہوا تو تو اپنی کھوپڑی کو لگوا' یہ ڈھکن اتار ناں ذرا۔" بے بے نے چڑ کر اس کی کس کے پہنی ہوئی کیپ اتاری۔

"جھلیا' وہ تیری منگ ہے' تیرے بچپن کی منگ۔ میں تیرے ویاہ کی بات کر رہی ہوں۔"

"اچھا اچھا....." وہ معاملے کی تہ تک پہنچ کر ہلکا پھلکا ہو گیا ورنہ بے بے کی الجھی ہوئی بات۔ نے تو اس کے ہاتھوں سے طوطے' کبوتر' کوّے' چڑیاں سب کچھ اڑا دیا تھا۔

"اوہو..... تو یہ بات ہے' میں سمجھا کہ..... اچھا اچھا..... ہیں..... کیا؟ ..... کیا کہا؟" اطمینان سے سر ہلاتے ہلاتے وہ خود بھی ہل کر رہ گیا۔ "کیا کہا؟ کیا یعنی منگیتر..... یعنی فیانسی۔"

"ہائے ہائے' پھانسی چڑھیں تیرے دشمن۔"

"اپنے ہاتھوں میرے گلے میں پھندا پھنسا کے مرنے کی نوید دشمنوں کو سنا رہی ہو بے بے۔" وہ بلبلا ہی تو اٹھا۔

اور اس کے بعد بے بے نے اس ذکر کو حمید عرف میدے عرف ہومی کی چھیڑ بنا ڈالا۔ اٹھتے بیٹھتے' سوتے اونگھتے' چلتے پھرتے.... ہر وقت پینو کو "سوہا جوڑا" پہنانے کی آرزو کا اظہار کیا جاتا۔ وہ جس حد تک جارحانہ طرزِ عمل اپنا سکتا تھا' اپنا چکا تھا' جتنا تلخ ہو سکتا تھا' ہو چکا تھا مگر وہ بے بے تھی..... حمید جنجوعہ کی بھی بے بے..... کیسے آسانی سے بلیک میلنگ کا شکار ہو جاتی۔ اب تو کچھ دنوں سے انہوں نے یہ شوشہ چھوڑ رکھا تھا' پہلے خود جا کر بات پکی کرنے کا ارادہ ظاہر کرتی تھیں اب اسے بھی ساتھ گھسیٹ لے جانے کا فیصلہ سنا دیا۔ شاید ان کا خیال ہو کہ آنسہ پینو کے حسن ہوشربا سے گھائل ہو کر میدا خود ہی سہرا باندھ لے لیکن میدا تھا کہ پٹھے پر ہاتھ نہ رکھنے دے رہا تھا۔ اس وقت بھی گھنٹا دو گھنٹا بے بے کے ساتھ مغز ماری کے بعد وہ اب پنجاب یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں موی کے سامنے بیٹھا جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔

"اب تم ہی بتاؤ' کیا میں کسی ایسی لڑکی سے شادی کر سکتا ہوں جسے میں نے نہ تو دیکھ رکھا ہو نہ سن رکھا ہو۔"

"بات تو تم نے آٹھ آنے صحیح کی ہے۔" موی نے سر ہلایا۔

"آٹھ کیوں؟ سولہ آنے کیوں نہیں؟"

"میں چھوٹے لوگوں کی طرح آنے آنے کا حساب نہیں رکھتا۔" شانِ بے نیازی سے فرمایا گیا۔ "ویسے آپس کی بات ہے تم نے بتایا نہیں کہ تم لوگ پیچھے سے پینڈو ہو۔" اس کے رازداری سے کہنے پر ہومی نے ایک دم چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"پیچھے سے؟..... اوہ ہاں..... ہاں ہاں..... زمیندار لوگ ہیں ہم..... کمال ہے تمہیں نہیں بتایا میں نے..... ہاں نہیں بتایا ہو گا۔ میری عادت جو نہیں فضول میں شیخیاں بگھارنے کی۔"

"لیکن تم تو بتا رہے تھے تمہارے ڈیڈی کا بزنس ہے۔"

"ہاں وہ ذرا بزنس مائنڈڈ تھے۔ اس لیے زمینداری اور جاگیروں سے ذرا دور دور ہی رہے۔" (حالانکہ زمینیں اور جاگیریں خود اس کے باپ تو کیا دادا تک سے دور دور ہی رہیں)۔

"عرصہ پہلے گاؤں چھوڑ کے لاہور آئے تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔" وہ اصل قصہ پی گیا جو بے بے اکثر چٹخارے لے لے کر سنایا کرتیں کہ کس طرح ابا نے پٹواریوں کی لڑکی کو چھیڑا اور جواب میں پٹواریوں نے مار مار کے ابا کا بھرکس بنا دیا اور پنچائیت نے فیصلہ سنا دیا کہ یہ لڑکا گاؤں میں قدم نہیں رکھ سکتا۔

"پھر یہاں بزنس اتنا پھیل گیا کہ انہیں جانے کی فرصت بھی نہیں مل سکی۔" واقعی بزنس تو ترقی ہی کر رہا تھا۔ کہاں سر پر ٹوکرا رکھ کے گلی گلی "آلو اے' بھنڈی اے' توری اے..... بڑی تازہ اے..... اے....." کی

Aneela Pakistanipoint

صدائیں لگا کرتی تھیں، پھر چند سال بعد یہ ٹوکرا ریڑھی میں تبدیل ہو گیا۔ دن کو سبزی بیچ دینے کے بعد دوپہر کے بعد اسکولوں، کالجوں کے سامنے اسی ریڑھی پر مسالے والی گاجر مولی سردیوں میں اور برف پر لگا تربوز گرمیوں میں بیچا جاتا اور اب ماشاءاللہ اپنی دکان تھی، بسم اللہ پھل اور سبزی فروش کے نام سے۔

"زبردست..... ایمان سے..... تباہی ہے تباہی۔" موی کے چسکے لینے والے انداز پر ہومی ذرا سا ٹھٹکا اور پیچھے مڑ کے دیکھا۔ تین لڑکیاں ہنستی کھلکھلاتی اسی طرف چلی آ رہی تھیں اور موی کی نگاہیں درمیان والی پروفس تھیں جس نے رنگ اڑی جینز کے نیچے پشاوری چپلیں پہن رکھی تھیں اور جینز پر کھدر کا کالا کرتہ تھا جس پر ہلکے نیلے رنگ کے دھاگے سے عجیب جلیبی نما کڑھائی ہوئی تھی، سر پر کالی جالی کا اسکارف باندھ رکھا تھا۔

"یہ کیا چیز ہے؟ آدھا تیتر، آدھ بٹیر۔" اس نے تبصرہ کیا جس کی فوری تصحیح موی نے کی۔

"یوں کہو کہ آدھی کبوتری اور آدھی مورنی۔"

"تم اس آدھی ادھوری کو ٹکٹکی باندھے کیوں گھور رہے ہو؟"

"دل آگیا ہے تمہارے یار کا۔"

"کیا.....!" اس پر بھی؟ پھر یار مجھے تو اجازت دو پھر ملاقات ہو گی۔" اس نے کھسک لینے میں عافیت جانی۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی جس جس پر..... موی کا دل آیا تھا، اس کی جوتی ہی موی کی جانب آئی تھی اور اس مشرق و مغرب کے امتزاج نے تو چارسدہ برانڈ کی موٹے سول والی چپل پہن رکھی تھی۔

"ارے یار، بیٹھو تو سہی، ابھی تمہارے مسئلے کا حل بھی نکالنا ہے۔"

"ہیلو چاچا جی۔" تینوں لڑکیوں نے ان کی ٹیبل کے نزدیک آتے ہی گرمجوشی سے کورس میں کہا۔ موی کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو ایک جا رہا تھا جبکہ ہومی مزے لیتا ہوا یہ سارے رنگ گن رہا تھا۔

"مذاق کی عادت ہے....." ان کے آگے جانے پر اس نے کھسیا کر بات ٹالی۔

"ہاں تو جگر..... کیا کہہ رہے ہو تم..... کونسا گاؤں ہے جہاں کی الزمیار کو آنٹی نے تمہارے لیے چن لیا ہے۔"

"یار ان کی کزن کی بیٹی ہے، پی..... پنکی..... اور وہ کچھ عجیب سا نام ہے گاؤں کا..... سانگلا ہل۔"

"تم نے دیکھا ہے؟"

"ہاں بہت پہلے..... وہی ٹیپیکل حالت، ہر طرف بھنبھناتی مکھیاں، سخت بدبو۔"

"نہاتی نہیں ہو گی۔"

"ہیں.....! کون؟..... میں گاؤں کی بات کر رہا ہوں۔"

"اور میں پنکی کی۔"

"کون پنکی..... اچھا اچھا پی..... پنکی..... اسے تو میں نے نہیں دیکھا یا شاید کبھی دیکھا ہو گا مگر مجھے یاد نہیں۔"

"ہوں..... تو گویا معاملہ الجھا ہوا ہے۔ میری مانو تو تم آنٹی کے ساتھ ایک بار جا کر دیکھو تو سہی کیا پتا تمہیں پسند آجائے۔"

"نو..... نیور..... اٹس امپاسبل، بھلا وہ میرے معیار پر کیسے اتر سکتی ہے۔ آفٹر آل آئم گریجویٹ۔"

"اسے دیکھے بغیر مفروضے کیوں گھڑ رہے ہو۔ ایسا کرتا ہوں میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلے چلتا ہوں، تمہاری مورل سپورٹ ہو جائے گی۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے..... لل..... لیکن..... تم کیسے..... اوہو..... نہیں نہیں..... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ ہامی بھرتے بھرتے اچانک گھبرا گیا۔ "مام" اور "ڈیڈ" کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا؟ گاؤں کے لوگ خاصے مہمان نواز ہوتے ہیں۔ تمہارے دوست کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گے آخر تمہارے ہونے والے سسرالی ہیں تم تو پورے دیال سنگھ کالج کو بھی اٹھا کر لے جاؤ تو کم ہے۔"

اس کے بعد حمید جنجوعہ عرف میدا عرف ہومی نے محمود بٹ عرف موی عرف چاچا جی کو ٹالنے کی سر توڑ کوشش کی مگر وہ ایلفی کی طرح چپکتا ہی چلا گیا۔

"میری مام بالکل پسند نہیں کریں گی۔"
"آنٹی کو میں سمجھالوں گا۔"
"وہاں سخت گرمی ہوگی۔ اے۔ سی بھی نہیں ہوگا۔ رات کو مچھر کاٹیں گے۔"
"چلو' یہ ایڈونچر بھی سہی۔"
"اتنا ہی ایڈونچر کا شوق ہے تو اس آدھی کبوتری آدھی مورنی کو چھیڑ لے دیکھ لو' سارے ارمان پورے ہو جائیں گے۔ چار دن حوالات میں رہنے کے بعد بھی تبدیلی آب وہوا ہو سکتی ہے۔"
"بہت بے مروت ہو تم.... میں نے سوچا' یار کے بہانے ہم بھی گاؤں دیکھ لیں کہ کیسا ہو سکتا ہے۔ میں نے تو صرف کتابوں میں پڑھا ہے یا فلموں میں دیکھا ہے۔ وہ ہری بھری پگڈنڈیاں' وہ پنگھٹ' وہ آم کے باغ.... اوہ ..... سو رومانٹک۔"
"فلمی گاؤں اور اصلی گاؤں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ وہاں کوئی صائمہ فل میک اپ میں کنوئیں سے پانی بھرنے نہیں جاتی' نہ ہی کوئی نرگس آم کے باغ میں سفید ململ کے کرتے میں بارش میں نہاتی پھرتی ہے۔ اب میری جان چھوڑ.... مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے۔"
"چلو میں بھی چلتا ہوں' کہاں جانا ہے؟"
"پینوراما..... یا پھر وہاں کچھ پسند نہ آیا تو پوٹ پوری۔"
"ہاں میں چلتا ہوں' مجھے بھی شاپنگ کرنی ہے۔ پوٹ پوری والے مجھے اچھی طرح جانتے ہیں' مہینے میں دو بار وہاں جاتا ہوں ناں' اس لیے۔ بڑی واقفیت ہے میری۔"
"اچھا پھر تو ضرور چلو۔ مجھے ڈسکاؤنٹ کروا دینا یا پھر اپنے کریڈٹ کارڈ پر کچھ دلوا دینا۔ میں پرسوں پاکٹ منی ملتے ہی تمہیں لوٹا دوں گا۔"
"ہاں..... ہاں..... کک..... کیوں نہیں..... ض..... ضرور..... لیکن مجھے یاد آیا' آج میری مام نے میری بڑی سسٹر کے گھر جانا تھا' وہ لوگ کل ورلڈ ٹور پر جا رہے ہیں' ان سے ملنے گئی ہیں۔ مجھے تو اپنے' پاپا اور چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے کپڑے لینے ہیں۔ ایف۔ سی سے پیک کروا کے لے جانا ہے۔ وہ میرے انتظار میں ہوں گے۔ ایکچوئلی ہمارا شیف بھی چھٹی پر ہے۔" اس نے معذرت کی تو ہومی نے سکون کا سانس بھرا۔ اس کی بروقت "امداد طلب" پالیسی نے کام کر دکھایا اور چیونگم کی طرح چپکا محمود بٹ از خود کھینچے ہوئے الاسٹک کی طرح دور ہو گیا۔

چند منٹ بعد ایک دوسرے کو بائے بائے کرنے کے بعد اب حمید جنجوعہ قریب سے گزرتے "چنگ چی" پر سوار ہو گیا جو پہلے ہی چھ سواریوں سے لدا ہوا تھا۔ اس کی منزل ریلوے اسٹیشن کے قریب والا "لنڈا بازار" تھا جب کہ محمود بٹ صاحب لکشمی کے نان پکوڑے اور "چکڑ چھولے" پیک کروا رہے تھے۔ ریڑھی والے کی منتیں کرتے ہوئے۔

"پائی' تھوڑے چھولے چمچے کے ساتھ لگے رہ گئے' ذرا کھینچ کے چمچ لفافے میں چھڑکو۔"

❂✻❂

"دیکھ میدے وہ پنڈ ہے اور وہ بھی میرا "پیکا پنڈ"..... تیرا "ٹانکا پنڈ" (ننھیالی گاؤں)۔ وہاں میری ناک نہ کٹوا دینا۔ ذرا طریقے سلیقے کے کپڑے رکھ بکسے میں۔ یہ موئی رنگ برنگے پھولوں والی آدھی پتلونیں اور یہ ماس سے چمٹی بغیر بازوؤں کی بنیانیں کیوں رکھ رہا ہے۔"

"یہ بنیانیں نہیں' اسکن ٹائٹ شرٹس ہیں اور یہ آدھی پتلونیں نہیں' برمودا زہیں۔ اس قدر گرمی میں وہاں تھری پیس سوٹ تو لے جانے سے رہا۔"

"وہ کڑیوں والا گھر ہے بے غیرتا' ادھر تو ننگا پنگا نیکریں پہن کے بے شرمی سے پھرتا رہتا ہے۔ وہاں یہ سب نہیں چلے گا۔ تیرے مامے نے دیکھ لیا تو سو سو چھتر لگائے گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے' گھر کے اندر نہیں پہنوں گا۔" وہ "چھترول" والی دھمکی سے ڈر گیا۔ مامے رشید کا ہاتھ تو یوں بھی بھاری تھا' ود آؤٹ چھتر بھی اوسان خطا ہو جاتے تھے' ود چھتر تو نہ جانے کیا حال ہو۔

"باہر بھی نہ پہن کے نکلنا۔ سارے پنڈ کے کتے

پیچھے پڑ جائیں گے۔ تیرے لیے دو ململ کے کُرتوں پر کڑھائی کروائی ہے' سات لٹھے کی شلوار اور یہ ایک ہلکے نیلے رنگ کا شلوار قمیص..... بڑا اچھا سوتی کپڑا ہے۔ شہزادہ لگے گا میرا پتر اور یہ ڈھکن نہ سر پر رکھنا' پچھلے سال پھوپھی کی ساس حج سے واپسی پر جو ٹوپی دے گئی تھی' میں وہ نکال دیتی ہوں۔"

"خدا کے واسطے بے بے..... وہ بنگالی ٹوپی نہ دینا مجھے..... میں ننگے سر ہی ٹھک ہوں' چاہے تپتی دھوپ میرا بھیجا ہی کیوں نہ روسٹ کر دے۔" اس نے پیکنگ مکمل کر لی۔ اپنا واک مین' برسنی سپیئر' اور جینفر لوپاز کے والیم' کاسموپولیٹن کا پرانا شمارہ (جو ردی والے سے بی۔اے کے کورس کے عوض حاصل کیا تھا) اور چیونگم کا پیکٹ رکھنا وہ نہ بھولا۔

"میدے پتر' باہر تیرا کوئی یار ملنے آیا ہے....."

بے بے کی آواز پر وہ چونک گیا۔ اس کا کوئی یار اب تک گھر نہیں پہنچنے پایا تھا (اس کی حفاظتی تدابیر کی بدولت)..... پھر یہ کون ہے..... کہیں موی..... اوہ نو..... وہ اِدھر اُدھر چھپنے کی جگہ تلاش کرنے لگا کہ موی اندر تک گھسا چلا آیا۔

"ارے آنٹی' ہومی نے بتایا نہیں کہ میں بھی آپ کے ساتھ گاؤں جا رہا ہوں' اس کے بے حد اور پُرزور اصرار پر۔"

"لے..... کب بتایا..... ہے ہی میسنا۔"

"آنٹی' آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟" اس نے کن انکھیوں سے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا جو دانت کچکچاتے ہوئے اسے گھور رہا تھا۔

"نہ پتر' مجھے کیوں اعتراض ہو گا۔ جم جم آؤ سو بسم اللہ' تیرا اپنا پنڈ ہے۔ بس ذرا میدے کا پیو آ جائے ہٹی سے۔ چابیاں اسے دے کر اڈے چلتے ہیں۔"

"میدے کا پیو....." اس نے بہ آواز بلند دہرایا ساتھ ہی ایک تڑپانے کلسانے والی ذلیل سی مسکراہٹ سے اسے نوازا جو خجل ہو کر پھر سے پیک شدہ سامان کی تلاشی لینے میں مگن تھا۔

"بائی داوے آنٹی..... انکل کی "ہٹی" کس چیز کی ہے' کریانے کی؟"

"نہ پتر..... سبزی پھل کی ہے۔ پوری پکی ٹھٹھی میں' سب سے تازہ سبزی تیرے چاچے کی ہوتی ہے۔ آخر کیوں نہ ہو' سرگی ویلے (سحری کے وقت) کھوتا ریڑھی لے کر منڈی جاتا ہے اور چن چن کر آلو' کریلے' ٹماٹر اور مولیاں لاتا ہے۔ تو نے بتایا نہیں پتر کہ تیرا پیو کیا کرتا ہے؟"

"وہ سائیکاٹرسٹ ہیں آنٹی۔" اس نے جتانے والی نظروں سے حمید کو دیکھا۔

"سیکل ٹائر..... سیکلوں کے ٹائروں کے پنکچر لگاتا ہے؟" انہوں نے ناک پر انگلی رکھ کے پوچھا۔

"نہیں آنٹی' سائیکاٹرسٹ..... یعنی نفسیاتی ڈاکٹر۔ یوں سمجھ لیں کہ جیسے کوئی بیمار ہوتا ہے تو عام ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے اسی طرح جب کوئی پریشان ہو' غمگین ہو تو نفسیاتی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ میرے پاپا لوگوں کے غم' دکھ' درد' پریشانی اور تھکن کا علاج کرتے ہیں۔ جو اُن کے پاس آتا ہے' ہلکا پھلکا اور پُرسکون ہو کر واپس جاتا ہے۔ اور میری مام سوشل ورکر ہیں یعنی لوگوں کے کام آتی ہیں۔ ان کی مدد کرتی ہیں۔ ان کے مسئلے حل کرتی ہیں۔"

"اچھا اچھا' کونسلر ہوں گی..... شاوا بھئی ٹور ہیں تیرے ماں پیو کی۔" بے بے متاثر ہو گئیں اور ساتھ ہی چہرے کے آگے اخبار پھیلا کے بیٹھے میدے کو لتاڑا۔

"ہائے ہائے شرم دا گھاٹا..... گھر پر دھنا (مہمان) آیا ہے' تو اخباریں چاٹ رہا ہے۔ جا شاباش..... چھیتی سے کرمانوالے کی ہٹی سے ڈکار والی بوتل لے کر آ۔ پتر کالی پیلے گایا ہری۔"

"جی فانٹا..... آئی مین اورنج... یعنی پیلی۔"

"اچھا اچھا کھٹی..... ہاں اس کا بھی واہ واہ سواد ہے۔ جا پتر یہ لے نو روپے....." بے بے نے چادر کا پلو کھول کر پانچ کا نوٹ اور دو سکے تھمائے۔

"کھول کے نہ لانا' بند ھی لانا نہیں تو ساری گیس مک جائے گی۔ بغیر گیس کے بوتل پیو تو رج کے ڈکار بھی نہیں آتے۔"

○*○

Aneela Pakistanipoint

بے بے کا پروگرام تو لاری اڈے پر جا کر بس پکڑنے کا تھا مگر موی کی تجویز پر وہ ٹرین میں جانے کو تیار ہو گئیں۔ ہوی البتہ سارے رستے چپ ہی رہا۔ محمود بث کے اچانک چھاپے نے اس کی ہوائیاں اڑا رکھی تھیں۔ اگرچہ فطرتاً وہ خاصا..... بلکہ قابلِ رشک حد تک ڈھیٹ اور بے غیرت سا شخص تھا لیکن آج نہ جانے کیوں شرمندگی کنٹرول میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ خود بھی شرمندہ ہوتے ہوتے تھک گیا تھا جبکہ موی اسے شرمندگی کے جوہڑ میں مسلسل غوطے دیتا نہیں تھک رہا تھا۔ اس کی بے بے کے ساتھ طویل گفتگو اسے تلملائے دے رہی تھی۔

"لو جی، آگیا ساڈا سوہنا سانگلا ہل۔" لاہور سے فیصل آباد جانے والی تیز گام سانگلا ہل کے اجاڑ، ویران اور مختصر سے پلیٹ فارم پر دن کے پونے تین بجے رکی۔ جولائی کی گرم ترین دوپہر تھی۔

"دیکھا، یہاں کا سکون اور صفائی۔" بے بے نے داد طلب نظروں سے دیکھا۔ "وہاں لہور کا اسٹیشن کتنا گندا اور غلیظ تھا۔ ہر طرف رش..... پان کی پیک، بدبو..... اور ادھر....."

"نہ بندہ نہ بندے کی ذات۔" حمید نے بات کاٹ کر لب کشائی کی۔

"کوئی بھولا بھٹکا ادھر آئے گا تو گند ڈالے گا۔"

"آنٹی، یہاں سے رکشا ملے گا یا ٹیکسی۔"

"لو کر لو گل..... اوئے جھلے، ادھر تانگے چلتے ہیں۔"

لیکن پندرہ منٹ تک وہاں کھڑے رہنے کے بعد کوئی تانگہ نہ ملا۔ ایک سڑے مزاج والے قلی سے پتا پوچھ کر وہ تانگہ اسٹینڈ کی طرف خود ہی چل پڑے۔ جہاں اس قلی سے بھی زیادہ سڑے مزاجوں والے کوچوان سے واسطہ پڑا۔ تانگہ اسٹینڈ کیا تھا ایک تندور مارکہ ہوٹل تھا جس کے کچے احاطے کے ایک طرف تانگے کھڑے تھے تو دوسری جانب درختوں کی چھاؤں میں چارپائیاں ڈالے کوچوان حضرات قیلولہ فرما رہے تھے۔ کوئی ایک بھی انہیں لے جانے پر تیار نہ ہوا۔

"او مائی، یہ ہمارا ویلا ٹیم ہے (فارغ وقت)۔ اتنی شکر دوپہر میں تمہارے چھ روپے کے لیے ہم اپنے پنڈے (جسم) کو لو کیوں لگوائیں۔" ٹکا سا جواب ملنے پر بے بے نے بھی جی بھر کے ٹکے ٹکے کی سنائیں۔

"اللہ کرے تیرے پورے ٹبر کو لو لگے..... تیرے گھوڑے کو "کھرک" (خارش) پڑ جائے۔ اللہ کی مار، شہریوں سے بڑھ کے بے دید ہو گئے ہیں، روئے آرام کرنے کو۔" اس سے پہلے کہ بے بے ان کی ماں بہن ایک کرنے پر اتر آتیں۔ حمید اور محمود انہیں کھینچ کر ایک طرف لے گئے۔

قریب سے گزرتے ایک ٹریکٹر ٹرالے والے نے انہیں "لفٹ" دی۔ بے بے تو "ٹیکے" کے ساتھ آگے بیٹھیں۔ وہ دونوں بھینسوں کو ڈالنے والے "پٹھوں" کے آرام دہ بستر پر پیچھے بیٹھ گئے۔

"واؤ..... اٹس آر ئیل ایڈونچر۔" موی کے چہکنے پر ہوی نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا (تیرا سارا ایڈونچر تو میں ایک وار میں نکال کے رکھ دوں گا۔)

✪✱✪

گنے کے کھیت جنہیں عام طور پر "کماد" کہا جاتا ہے، اس کے دائیں طرف والی نہر کے قریب ٹریکٹر ٹرالے والے نے انہیں اتارا۔

"ماں جی، پل ذرا کمزور ہے۔ میں اوپر سے چکر کاٹ کے پنڈ تک جاتا ہوں۔ آپ کا رستہ لمبا ہو جائے گا، آپ لوگ "پلوں پلی" (پل کے رستے) جاؤ۔ چھ سات منٹ تک پہنچ جاؤ گے، "کھوہ والی گلی" تک۔" انہیں ٹرالے پر ہچکولے لیتے لیتے پتا بھی نہیں چلا کہ کب چلچلاتی دھوپ کی سختی نرم پڑی اور کب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اِدھر سے اُدھر اٹھکیلیاں کرنے لگیں۔ پل سے لے کر "کھوہ والی گلی" تک کا رستہ منٹوں میں طے ہوا۔

"ہا..... ہائے..... چھ سالوں میں میرا پنڈ کتنا بدل گیا ہے۔ اچے اچے پکے مکان، پکی نالیاں..... اور دیکھ ذرا یہ موٹر سائیکلیں۔"

بے بے نے حیرت سے اپنے محلے کا جائزہ لیا۔ وہ تو پھر چھ سال بعد آئی تھیں جبکہ حمید کو آئے تقریباً گیارہ بارہ سال ہو رہے تھے اور وہ اتنا کا کا بھی نہیں تھا جب یہاں

Aneela Pakistanipoint

آیا تھا اس لیے یادداشت میں بارہ سال پہلے والا گاؤں اچھی طرح محفوظ تھا جو کہ بلاشبہ آج کے گاؤں سے خاصا مختلف تھا۔ "کھوہ والی گلی" جس "کھوہ" یعنی کنویں سے منسوب تھی وہ اب بھی نمایاں تھا البتہ اس کے آس پاس کا کھلا علاقہ اب مکانوں اور دکانوں سے بھر گیا تھا۔ اکثر مکان دو منزلہ اور نیلے، پیلے، گلابی رنگوں سے آراستہ تھے۔ گلیاں ادھ ننگے بچوں سے بھری پڑی تھیں جو آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کالے کالے بادلوں کو چلاتے ہوئے خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

"کالیاں اٹاں کالے روڑ.....
مینہ برسادے زور و زور....."

تندور کے ساتھ پی۔ سی۔ او کا بھی اضافہ نیا تھا اور کریانے کی دکان میں رکھا ڈیپ فریزر بھی نظر آرہا تھا۔ ایک دو گھروں کے آگے موٹر سائیکلیں کھڑی تھی اور تقریباً ہر مکان کے اوپر اینٹینا نصب تھا۔ ڈیپ فریزر اور دکان کے باہر لگے کولڈ ڈرنکس کے اشتہارات دیکھ کر حمید کی پیاس بھڑک اٹھی، ساتھ ہی اسے بارہ سال پہلے کا واقعہ یاد آگیا۔ جب وہ ایسی ہی گرمیوں میں یہاں آیا تھا اور المونیم کے جہازی سائز گلاس میں ماسی تاجاں نے اسے جو مشروب پکڑایا تھا اس میں تیرتے حشرات الارض کو دیکھ کر وہ چلا اٹھا، گلاس ہاتھ سے چھوٹ کے کچے احاطے میں گر گیا اور گاڑھا گاڑھا مشروب برف کی ڈلیوں سمیت سوکھی مٹی میں جذب ہونے لگا۔

"جوئیں.... بے بے..... اس میں جوئیں تھیں..... اتنی بڑی بڑی....." وہ دہشت سے زمین کی طرف اشارہ کرنے لگا اور وہاں بیٹھا ماسی تاجاں کا سارا ٹبر جناتی قہقہے لگانے لگا۔

"پتر، یہ جوئیں نہیں، یہ تو "تخ ملنگاں" کا شربت ہے۔ بڑا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ جگر ٹھار دیتا ہے۔ لو میں تو بہت ہی فیدہ دیتا ہے۔"

"میں یہ ملنگوں والا شربت نہیں پیوں گا۔" اس نے ماسی کی بڑی بیٹی چھینو کو ایک اور گلاس بھرتے دیکھ کر مدافعانہ انداز میں ہاتھ ہلائے۔

"ہائے ہائے، ملنگوں والا نہیں۔ "تخ ملنگاں"..... اچھا چھوڑ یہ "ستو" پی لے۔"

"اس میں تو ریت گھلی ہے۔" ایک اور اعتراض۔

"ناں پتر..... یہ تو شکر ہے، اصلی گڑ کی شکر اور ستو۔" آخر کار اس کے لیے شکنجبین بنائی گئی جسے اس نے دو بار فلٹر کروایا اور نتیجتاً تب تک ساری برف پگھل گئی اور نمک اور چینی دونوں کی بھرمار اور لیموں کی شدید کمی کا شکار گرم گرم شکنجبین اسے زہر مار کرنا پڑی۔

بارہ سال پہلے کی اس تلخ یاد نے اس کی پیاس کو مرجھا کر رکھ دیا۔

بے بے گلابی قلعی والی دیواروں اور ہرے رنگ کے بڑے سے دروازے والے گھر کے آگے کھڑی ہو گئیں۔

"لگتا تو یہی ہے، تاجاں نے بتایا تو تھا کہ پاہاشم نے کوٹھے پر دو کمرے ڈلوائے ہیں اور گلابی قلعی بھی کروائی ہے۔"

آنگن میں لگے آم، جامن اور امرود کے درختوں کا ایک بڑا حصہ باہر گلی میں چھاؤں دے رہا تھا۔ بے بے کو شش و پنج میں دیکھ کے حمید نے خود ہی دستک دے ڈالی۔

"او گاڈ، اتنا سینس نہیں ان لوگوں میں کہ..... گھر کے باہر نیم پلیٹ ہی لگا لیں۔"

اس کی بڑبڑاہٹ اس وقت تک جاری رہی جب تک کہ دروازہ نہیں کھل گیا۔ خانوں والے سفید اور خاکی تہبند اور مٹیالے سے رنگ والی بنیان میں ملبوس ماسی تاجاں کا گھر والا المشہور پاہاشم باہر نکلا۔

"آ ہا بھئی.... جی آیاں نوں.... ساڈی آپاں آئی جے....." اس نے یوں آواز لگائی جیسے محلے میں کوئی بچہ اپنے گھر کے آگے کھڑا ہو کے آواز لگائے۔

"چیز ونڈی دی لے لو....."

"سلام و علیکم انکل۔" حمید نے سلام کرنے میں پہل کی۔

"وعلیکم سلام.... پر پتر میں انکل شکل نہیں تیرا "ماسٹر" ہوں۔ تیری ماسی کا بندہ یعنی تیرا ما..... س..... ڑ....." باقاعدہ ہجے کر کے باور کرایا گیا پھر نظر اس کے پیچھے کھڑے مومی پر گئی تو حیرانیاں اور پریشانیاں یہاں سے

وہاں تک پاہاشم کے بارہ بیگھے کے چہرے پر پھیل گئیں۔
"بلے بھئی بلے..... آپاں پر خیف شہر میں کیا کھاتا ہے۔ فیر سے منڈا کھنڈا (لڑکا) بنتا جارہا ہے۔"
کئی گھنٹوں کے بعد حمید کے چہرے پر مسکراہٹ آئی اور اس نے مزے لیتی نظروں سے موی کے رنگ اڑے چہرے کی طرف دیکھا۔ بے بے نے چادر کا پلو منہ پر پھیلاتے ہوئے، شرم سے دہرے ہوتے ہوئے اپنے بہنوئی کو ایک پُر شفقت دھپ لگائی۔
"تیری مخول کی عادت نہیں گئی پا..... بندہ اور ٹیم تو دیکھ لیا کر۔ ہر کسی کے سامنے..... اوئے یہ تو محمود ہے، اپنے میدے کا یار۔ اس کے ساتھ کالج میں ہوتا تھا۔"
"اچھا اچھا، استاد ہو گا وہاں۔" پاہاشم اب تک محمود بٹ کے صفاچٹ ہوتے ماتھے، پھیلے ہوئے وجود اور پکے خرانٹ تھوبڑے کی وجہ سے مشکوک تھا۔
کچا صحن اب سرخ اینٹوں کے فرش سے بھر چکا تھا۔ جنہیں ابھی ابھی دھو کر چمکایا گیا تھا کیونکہ پانی ابھی تک خشک نہیں ہوا تھا۔ آس پاس سے چاروں جانب کچھ جگہ کیاریوں کے لیے کچی ہی چھوڑ دی گئی تھی۔ بائیں طرف والی کیاریوں میں گلاب، موتیا اور منی پلانٹ بہار دکھا رہے تھے۔ بائیں طرف والی کیاری جس کے ساتھ پرانی طرز کا بڑا سا باورچی خانہ صاف نظر آرہا تھا، اس میں لیموں، ہری مرچ، کریلے اور توری کی بہاریں تھیں۔ داخلی دروازے کے ساتھ کیاری کھلے سے احاطے پر مشتمل تھی۔ جس میں قطار کے ساتھ آم، جامن اور امرود کے درخت لگے تھے جن میں سے صرف جامن کے درخت پر ہی اس وقت "آبادی" تھی۔ درختوں کے نیچے بان کی چارپائیاں کھڑی تھیں۔ پاہاشم کی آوازوں پر سارا گھرانہ صحن میں اکٹھا ہو گیا۔ ماسی تاجاں بے بے کے گلے لگ گئی اور دونوں سکھیاں اونچے سُروں میں رونے لگیں۔ ماسی کا چھوٹا بیٹا لالو بھاگ کر برآمدے سے پیڈسٹل فین اٹھالیا۔ صحن کے وسط میں اس نے فین کھڑا کر کے اس کی نقاب کشائی کی یعنی اس پر جو سفید کور رنگ برنگی کڑھائی سے مزین پڑا ہوا تھا اتارا۔ پاہاشم نے پہلے ہی درخت کے نیچے کھڑی چارپائیاں بچھادیں تھیں۔
"کی کردے او تسی، آپاں کو منجی پر بٹھاؤ گے۔ خیر سے شہری پتر آئے ہیں، اندر بیٹھک میں چلو سارے۔" ماسی نے ٹوکا۔
"ناں تاجی ناں، کتنے عرصے بعد یوں ویہڑے میں بیٹھنے کا موقع مل رہا ہے اور آج تو موسم بھی اچھا ہے۔"
"بس آپاں، یوں سمجھ لو۔ تیرے آنے کی خوشی میں موسم اچھا ہوا ہے ورنہ تو کتنے دنوں سے سینک نے مت ماری ہوئی تھی اور آج صبح سے تو حبس بھی دماغ خراب کر رہا تھا۔ ویسے آپاں، کیا شہر والے تیرے گھر میں ویہڑا نہیں۔"
"ہا..... ہا....." بے بے نے سرد آہ بھری۔ "ویہڑا تو ہے پرناں تو اتنا کھلا ہے نہ ہی اس کی کیاریوں میں رنگ رنگ کے پھول ہیں۔ نہ ہی پیپلی اور جامن کی ٹھنڈی چھاں ہے نہ ہی یہ کچا پکا ٹھنڈا فرش ہے۔ میرے ویہڑے کا پکا سیمنٹ کا فرش گرمیوں میں تندور اور سردیوں میں برف کی سل بن جاتا ہے۔ دیواریں اتنی اچی کہ نہ ہوا اندر آتی ہے نہ روشنی۔"
"نی کڑیو، پروھنوں کے لیے کوئی پانی... کوئی شربت لاؤ۔" ماسی کی آواز کے ساتھ حمید نے سر اٹھایا۔ (شاید اب کچن سے چھینو صاحبہ یا مس پینو بڑی سی بالٹی اٹھائے نکلیں گی جس میں وہی جووں والا شربت ہاتھوں سے گھولا ہو گا اور گدلی سی برف کے بے ڈھبے ٹکڑے تیر رہے ہوں گے۔ المونیم کے ٹیڑھے میڑھے گلاس لبالب بھر کے زبردستی منہ میں دیے جائیں گے)۔
لیکن وہ حیران رہ گیا جب ایک ذرا صاف ستھری سی خاتون ہاتھ میں ٹرے لے کر نمودار ہوئیں جس پر کوئی درجن بھر اسٹیل اور شیشے کے گلاس تھے۔ اسٹیل کے چمچماتے گلاس خاصے بڑے سائز کے تھے۔ ان کے پیچھے ہی ایک ملازمہ ٹائپ لڑکی دوسری ٹرے اٹھائے ہوئے تھی جس میں تین عدد جگ اور ایک پیالہ کٹی ہوئی برف سے بھرا ہوا تھا۔
"میدے یہ تیری باجی چھینو ہے۔" تعارف پر اس نے مودبانہ سلام کیا ان خاتون کو جو بارہ برس پہلے والی چھینو سے خاصی مختلف نظر آرہی تھیں۔ چھینو اور وہ

تقریباً ہم عمر تھے مگر اب شادی کو تین سال ہونے اور دو بچوں کی ماں ہونے کے بعد وہ سچ مچ کی باجی نظر آرہی تھی اور خاصی مہذب اور سلجھی ہوئی بھی۔ اس نے سب سے پوچھ کر ان کا پسندیدہ مشروب گلاس میں انڈیل کر پیش کیا۔ پاہاشم اور بے بے کو خوب جھاگوں جھاگ مکھن کی سطح والی نمکین لسی..... ماسی اور ان کے داماد یعنی اپنے مجازی خدا کو بادام کا شربت... اور حمید اور محمود کے لیے روح افزا.....

"آپاں' لسی کے بعد یہ باداموں کا شربت ضرور چکھنا۔ میری پینو نے آپوں آپ بنایا ہے۔ بڑا سوادی ہے۔ چھینو' بھائیوں کو بھی دے۔" اور چھینو نے حمید کا گلاس خالی ہوتے ہی شربت بادام سے بھردیا۔

"اس میں مغز بھی ڈالے ہیں' گری کے لیے اچھے ہوتے ہیں۔" اس اطلاع پر حمید کو ابکائی آگئی۔

"مم..... مغز..... گائے کا..... یا بکرے کا..... آخ تھو۔"

"پتر وہ گوشت والا مغز نہیں' یہ چار مغز.... میوے ہوتے ہیں۔" بے بے نے مفصل سمجھایا تو بات اس کے مغز میں اتری۔ شربت واقعی مزے دار تھا۔ وہ اکٹھے دو گلاس چڑھا گیا۔ مس پینو کی تعریف کرنے کی نیت سے اِدھر اُدھر دیکھا مگر وہاں موجود تینوں لڑکیوں میں سے پینو کون ہے' اس کا اندازہ نہ کرسکا۔ اس کی نظریں ان پر پھسلتی دیکھ کر پاہاشم نے زور سے کھنکھارنا شروع کردیا۔ جس کو بھانپ کر ماسی نے جلدی سے انہیں چلتا کیا۔

"شاوا بھئی کڑیو' چھتی چھتی کام کرو اور اپنے اپنے گھروں کو جاؤ۔" پھر بے بے کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"یہ گھڑمونہی (گھڑے کے منہ والی) پھاتاں ماچھن کی پوتری ہے۔" انہوں نے مسلسل کھی کھی کرتی میلی سی لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ بے بے نے برا سا منہ بنا کر اسے "مالکانہ حقوق" کے ساتھ دیکھا۔

"اور یہ دونوں شرلیاں (پٹاخے) صدیقاں نائن کی لڑکیاں ہیں۔ اس ویلے آس پاس کی ساری لڑکیاں میری پینو سے پڑھنے آتی ہیں۔" فخریہ انداز میں دی گئی اطلاع پر حمید چونکا۔ ایک بار پھر لڑکیوں کا جائزہ لیا جو کہیں سے بھی پڑھنے کی نیت سے آئی نہیں لگتی تھیں۔ محمود نے ٹھوکا دیا۔

"پنکی کے بارے میں پوچھو۔" وہ ان سنی کر گیا۔ اس نے دوبارہ زیادہ شدت سے ٹھوکا دیا جواباً حمید نے گھوری ڈالی۔

"کہیں یہ مس پینو ہی تو پنکی نہیں؟" وہ بھی ایک کائیاں تھا۔ حمید کی شرمسار خاموشی سے شہ پاکر کیدو مارکہ مسکراہٹ کے ساتھ سرہلا ہلا کر بڑبڑانے لگا۔

"ہاں بھئی۔ جب ڈیئر مام بے بے اور ڈیڈ اباجی نکل سکتے ہیں تو پنکی کے لیبل کے نیچے پینو کیوں نہیں ہو سکتی۔"

"میدے پتر تم آج کل کیا کر رہے ہو؟ ابے کے ساتھ دیہاڑی لگاتے ہو یا وکھرا کام کرتے ہو؟" ماسی کے سوال پر اسے اچھو لگ گیا۔

"واٹ آنٹی؟..... میں اور دیہاڑی..... وہ بھی ابے کے ساتھ؟ اوہ نو..... امپاسبل' اتنا پڑھ لکھ کے کیا میں یہ سب کروں گا؟ آفٹر آل آئی ایم گریجویٹ۔"

ماسی منہ کھولے اسے دیکھتی رہیں۔ پاہاشم نے فوراً پیش کش کی۔

"وٹ؟..... وٹ پڑ رہا ہے پیٹ میں؟ پھکی (چورن) دوں؟"

"نو..... تھینک یو انکل۔" بڑے تکلف سے انکار کیا۔

"آپاں....." خود پر قابو پاتے ہوئے ماسی نے..... بے بے کو متوجہ کیا۔ "یہ جو تیرا پتر ہے ناں..... بالکل ایسی ہی ایک اور چیز بھی آج کل میرے گھر آئی ہوئی ہے۔"

"چل نی' مخول نہ کر' یہ تو وکھری ٹائپ ہے' ایسا کوئی دوسرا کیسے ہو سکتا ہے۔" پتا نہیں بے بے نے تعریف کی تھی یا.....

"رب دی سوں' میری مرید کے والی ننان (نند) بھی پرسوں سے آئی ہوئی ہے پورا ٹبر لے کر اور اس کی جو نکی دھی ہے ناں..... بل..... کل..... یہی چیز ہے۔ ایسے ہی ناسیں (نتھنے) چڑھا چڑھا کے انگریجی مارتی ہے۔ ماں پیو کو کج سمجھتی ہی نہیں۔ سارے پنڈ سے اس کو بو آتی

Aneela Pakistanipoint

ہے۔"

"ہے کدھر وہ نمونہ؟"

"اپنی ماں کے ساتھ باہر نکلی ہوئی ہے۔"

"واؤ..... ایک اجنبی حسینہ سے ملاقات کا بھی امکان ہے۔" محمود نے پھر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ خود حمید ابھی اس غائبانہ ذکر سے متاثر ہو گیا تھا۔

"ضرور میری طرح کوئی پڑھی لکھی مہذب لڑکی ہو گی۔" رائے قائم کی گئی "ڈھیر سارے نک کٹوں میں ناک والا نکو ہی کہلائے گا..... چہ چہ..... بے چاری لڑکی..... میری طرح ناقدری کا شکار ہے۔"

"سلاماں لیکم....." دھڑ سے دروازہ کھلا اور طوفان میل کی طرح ایک بے تحاشا پھیلی ہوئی خاتون اندر داخل ہوئیں۔ مغرب کی نماز کے کچھ دیر بعد ہی رات کا کھانا لمبے سے دسترخوان پر چن دیا گیا تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی کی وجہ سے وہ لوگ صحن سے اٹھ کے برآمدے میں چلے آئے تھے۔ برآمدے کی چقیں اٹھا دی گئیں تھیں اور پھواروں سے بھیگی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بغیر کسی رکاوٹ کے اندر تک آ رہی تھی۔ بوندا باندی تو چند منٹ بعد رک گئی مگر موسم کو خوشگوار کر گئی۔ ابھی اندھیرا پوری طرح پھیلا نہیں تھا کہ کھانے کی تیاری شروع ہو گئی حالانکہ حمید اور محمود دونوں دس بجے سے پہلے رات کا کھانا نہیں کھاتے تھے لیکن کھانے کا منع کرنے سے چند ہی سیکنڈ پہلے پیٹ میں چوہوں کی ریس شروع ہو گئی اور وہ بیبے بچوں کی طرح چپ چاپ دسترخوان پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔ حمید کو شدید بھوک کے اچانک غلبے کے باوجود ڈنر سے کچھ زیادہ توقعات نہیں تھی۔ اس کے خیال میں گاؤں کا المشہور سرسوں کا ساگ اور مکئی کی روٹی ہو گی، سویٹ ڈش میں گڑ والے چاول لیکن سامنے سلیقے سے سجے مرغ پلاؤ، پالک گوشت اور شامی کباب نے اس کا جی خوش کر دیا۔ سلاد اور رائتے کے لوازمات بھی ہمراہ تھے۔ کھانے کے بعد وہ لوگ برف میں لگے دسہری آم چوس رہے تھے، جب ان خاتون کی آمد ہوئی۔

"ہائے بھرجائی، اتنی بھی کیا بھوک پڑی ہوئی تھی، پروھنوں کا بھی انتظار نہیں کیا اور روٹی کھا لی۔" اسے خالی پلیٹیں اور ڈونے دیکھ کے غشی پڑ گئی، اس کی توجہ اب تک گھر کے افراد میں ہونے والی تین رکنی اضافے کی جانب نہیں گئی تھی۔

"نہیں خورشید، ایسی بات نہیں۔ یہ میرے چاچے کی بیٹی اپنے پتروں کے ساتھ لہور سے اتنا لمبا پینڈا (سفر) کر کے آئی ہے تجھے اڑیک کے ہی روٹی کھولی ہے۔"

"اچھا اچھا..... پیکے (میکے) آئے ہوئے ہیں۔" ماسی تاجاں کی نخریلی اور روزنی نند نے ابرو اچکائے۔

"ہائے آنٹی۔" ایک چہکتی آواز پر حمید نے بے ساختہ گردن موڑی۔ اورنج اور گہرے جامنی پرنٹ کا لان کا سوٹ کلف سے اکڑا ہوا تھا اور پستہ قامت، فربہ اندام، کٹے ہوئے اور بکھرے بالوں والی وہ سانولی سی لڑکی اپنے لباس سے کہیں زیادہ کلف زدہ لگ رہی تھی۔

"آؤ پتر، بڑی دیر لگا دی۔"

"او گاڈ آنٹی، یو نو... مائی مام.... ایک PLACE پر SIT کر جائیں تو پھر انہیں STAND کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ گاڈ گاڈ کر کے انہیں STAND کیا تو لیدر خراب ہو گیا۔"

"لیدر.....؟" پینو کے چھوٹے بھائی لالو نے سوال کیا جو خیر سے اب آٹھویں چڑھ گیا تھا۔

"اویس..... لیدر..... آئی مین موسم۔ ہم آؤٹ ہو ہی رہے تھے کہ RAIN کی وجہ سے اسٹاپ ہونا پڑا۔ آنٹی تاج، آج کیا کک کیا ہے... واؤ... چکن پی لاؤز..... ساگ گوشتز اینڈ شومی کبابز۔ ویری ٹیسٹی..... ویری گڈ کولڈ کولڈ مینگوز بھی ہیں.... لیکن آنٹی اس طرح مینگو نہیں ایٹ کر سکتی مجھے کاٹ کر دیں۔ آفٹر آل آئی ایم ایف اے۔"

لالی پاپ کی طرح آم چوستا حمید رک گیا۔ "اینڈ آئی ایم گریجویٹ..... پھر میں کیوں چوس رہا ہوں۔ مجھے بھی کاٹ کر کھانا چاہیے۔" یہ خیال آتے ہی اس نے آم واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔

"کیا ہوا پتر اور آم "پولا" (نرم) کر دوں؟" ماسی کی نند خالہ خورشید سے ملنے ملانے میں مصروف بے بے نے آفر کی۔

"یہ کون ہیں؟ ہمارا تعارف ہی نہیں کروایا۔"

Aneela Pakistanipoint

نارنجی اور جامنی شیڈ دیتی انگلش میڈیم حسینہ نے سرگوشی کرنے کی کوشش کی جو ظاہر ہے ناکام رہی۔

"یہ شکایت تو ہمیں کرنی چاہیے۔" محمود عرف موی نے جواباً ایک اور ناکام سرگوشی کی۔

"یہ دونوں تمہارے منڈے ہیں۔" خالہ خورشید نے نہ جانے کیوں مشکوک سی نظروں سے موی کو دیکھا۔

"اپنے ہی سمجھ لو' ویسے یہ میدا ہے اور یہ میرے میدے کا لنگوٹیا....."

لفظ "لنگوٹیا" پر دونوں جی بھر کے بدمزہ ہوئے۔ حمید نے تو سخت برا مانتے ہوئے احتجاج بھی کیا۔

"کیسا لنگوٹیا بے بے... یہ میرا کالج فیلو تھا اور کالج میں' میں لنگوٹ پہن کر نہیں جاتا تھا۔"

"آپ کون سے کالج میں تھے؟" اسی کلف زدہ نے دلچسپی لی۔

"ڈی ایس کالج لاہور سے گریجویشن کیا ہے۔" اس نے دانستہ دیال سنگھ کا نام نہیں لیا۔

"اچھا..... ویری گڈ..... میں نے گورنمنٹ ڈگری کالج مرید کے سے ایف اے کا امتحان دیا ہے۔"

"ایک بار پھر۔" لالو نے لقمہ دیا۔

"میرا نیم میری ہے اور آپ کا؟"

"حمید جنجوعہ ویسے آپ مجھے ہومی کہہ سکتی ہیں اور یہ میرا بیسٹ فرینڈ موی۔"

"موی؟..... واؤ..... موی رانا؟" وہ چلائی۔

"لاحول ولا..." حمید اس موازنے پر برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ "یہ تو رانا ٹنگا سے بھی گیا گزرا ہے۔"

"لے..... یہ موی کیا نام ہوا' موم بتی.....؟"

"جی اصل نام تو میرا محمود ہے..... محمود بٹ۔"

"محمود بٹ..... بٹوں کا منڈا تو نہیں لگتا تو؟" خالہ خورشید اب تک مشکوک تھیں۔

"بٹوں کے تو "کٹے" (بھینسے) بھی چٹے ہوتے ہیں۔ ایسا کالا بٹ تو نہ دیکھا نہ سنا..... ہاں ادھر کامونکے میں میری بہن دیا ہی گئی تھی وہاں اس کے بندے کا ایک بیلی (دوست) تھا۔ وہ بھی رج کے کالا تھا اور خود کو بٹ بھی کہتا تھا' جاوید بٹ۔"

"امیزنگ! موی کے پاپا کا نام بھی جاوید بٹ ہی ہے۔" حمید نے اطلاع دی۔

"اور ماں کا نام کنیزاں' وڈی دھی بوریوالہ دیا ہی کی ہے اور تم لوگ چھ بہن بھائی ہو۔ ہے ناں..... تبھی میں کہوں تیری شکل دیکھی بھالی کیوں لگ رہی ہے ابھی پچھلے سال تو کامونکے گئی تھی گڈو کے عقیقے پہ..... وہاں تیرا سارا ٹبر ہفتہ پہلے سے مفت کی روٹیاں کھانے آیا ہوا تھا۔ تو تو اچھا بھلا "مودا" ہوتا تھا یہ موی شوی کب سے ہوگیا۔"

"لیکن آنٹی' موی کے پاپا تو بہت مصروف آدمی ہیں۔ اپنا سارا کام دھندا چھوڑ کر کامونکے اتنے دن کیسے رہنے جا سکتے ہیں؟" "مودا" دسہری آم اپنے بھاڑ سے منہ میں ٹھونس کر چوسنا بھول گیا۔

"دفع..... کام دھندا..... وہ جدھر جاتا ہے اپنا کام ساتھ اٹھائے پھرتا ہے۔ چھ شیشیاں تو ہوتی ہیں' چھنکائی پھرتا ہے۔ تجھے نہیں پتا..... مالیشیا ہے' چمپی کرتا ہے لوگوں کی۔"

"اوہ..... اوہ..... اوہ....." حمید معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔ "ہاں جی' بتایا تھا مودے نے کہ اس کے پاپا لوگوں کی تھکان' پریشانی اور دکھ درد کا علاج کرتے ہیں۔ جو اُن کے پاس آتا ہے' ہلکا پھلکا ہو کر واپس جاتا ہے۔"

"اور مودے سنا' پتا چلا ہے تیری ماں کنیزاں نے شہر میں "وچولن" (رشتے کرانے والی) کا کام شروع کر دیا ہے؟"

"ہاں جی' یہ ہی بتایا تھا کہ وہ لوگوں کے مسئلے مسائل حل کراتی ہیں۔"

"پنڈ میں تو ساری حیاتی لوگوں کی طلاقیں ہی کرواتی رہی ہے۔" خالہ نے متاثر ہوئے بغیر ہاتھ ہلا کر مزید گوہر افشانی کی۔

"ایسی بات نہیں آنٹی ہے۔ ایجوکیٹڈ گاؤں میں ان کے ٹیلنٹ کو ابھرنے کا موقع نہیں مل سکا ہوگا' ہے ناں... مودے.....!" حمید نے بھولپن سے پلکیں جھپکاتے ہوئے اس سے پوچھا' جواباً وہ لپکا منہ کر کے بولا۔

"ہنڈرڈ پرسنٹ رائٹ..... میدے!"

Aneela Pakistanipoint

اوپر والے دونوں کمروں میں مردانہ مہمانوں کے ٹھہرنے کا انتظام تھا۔ ایک میں تو چھینو باجی کے شوہر اور آنٹی خورشید کے سرتاج تھے اور دوسرے میں مودا' میدا... یعنی کہ حمید اور محمود۔ دونوں کمروں کے آگے کھلا برآمدہ تھا' چھت بھی تھی اور سائیڈ کی دیواریں بھی مگر سامنے سے کھلا رکھا ہوا تھا جس کی وجہ سے بڑے سے صحن سے آتی ٹھنڈی ہوا نے سارا برآمدہ ائرکنڈیشنڈ کر دیا تھا۔ چھینو باجی کے شوہر محسن بھائی جان نے تجویز پیش کی۔

"کیوں نہ بستر برآمدے میں بچھا لیے جائیں۔ میں تو پچھلے دو دن سے چھت پر ہی چارپائی ڈال کر سو رہا ہوں' آج موسم ذرا ابر آلود ہے اس لیے کھلے آسمان کے نیچے سونا ٹھیک نہیں' بارش نہ ہوئی تو اوس بدن اکڑا دے گی لیکن کمرے میں بھی حبس سونے نہیں دے گا۔ چلو برآمدے میں پلنگ گھسیٹ لیتے ہیں۔"

انہوں نے خود ہی لپک جھپک بڑے بڑے رنگین پایوں والے نواڑی پلنگ گھسیٹ کر برآمدے میں لانے شروع کر دیے۔

"لو جی' دکھرا رواج دیکھا ہے۔" آنٹی خورشید کے ہم مزاج' میاں نے اوپر آتے ہی اس کارروائی کو تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے جملہ اچھالا۔

"جوائی' سوہرے گھر (سسرال) آ کے کمیوں والے کام کر رہا ہے۔"

"کمیوں والے کام؟ پھوپھا جی اپنے کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں کیا برائی ہے اور میں اس گھر کا داماد نہیں' بیٹا ہوں۔ یہ صرف میرا سسرال ہی نہیں' تائے کا گھر بھی ہے۔ یہ کیوں بھولتے ہیں آپ۔" انہوں نے متانت سے کہا۔

"او چھڈو جی' یہ آج کل کے لڑکے ذرا پڑھ لکھ جائیں تو سارے رواج اور ریتیں ہی بھلا دیتے ہیں۔ تو زمانے سے انوکھا تو نہیں۔ ہماری ساری برادری میں ہی "اندرواندری" (آپس میں) رشتے طے ہوتے ہیں۔ تیرا سوہرا (سسر) یعنی میرا سالا میری ماسی کا پتر بھی ہے لیکن میں نے اسے ہمیشہ سالا ہی سمجھا ہے۔ سوہروں (سسرالیوں) کو اپنا آپ دکھانا چاہیے' یہ جوائیوں کا حق ہوتا ہے۔" ان کی اپنی منطق تھی۔ محسن بھائی نے مزید بحث میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ہنس کے ٹالا۔ البتہ حمید ان کی سادگی' متانت اور روشن خیالی سے متاثر ہو گیا ساتھ ہی ساتھ اسے اپنی ڈھٹائی پر شرم بھی محسوس ہوئی۔ وہ اکیلے ہی اتنے بھاری پلنگ گھسیٹ رہے تھے جبکہ وہ اور محمود بے مقصد "بنیرے" (منڈیر) سے لگے اِدھر اُدھر تاڑ رہے تھے۔ اس نے فوراً آگے بڑھ کے ان کی مدد کی۔ وہ مشکور نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔ پلنگ بچھانے کے بعد وہ پیڈسٹل فین سیٹ کرنے لگے جبکہ وہ منوں وزنی سرہانے اور چٹی دودھ چادریں بچھانے لگا جو پلنگ اِدھر اُدھر کرنے کی وجہ سے خراب ہو گئی تھیں۔ چادروں کے کناروں پر کڑھائی کی بیلیں تھیں اور وہ تکیے..... جن کے اندر خدا جانے کیا بھرا تھا' مختلف کلمات و مصرعات سے سجی تھیں۔ وہ پڑھنے لگا۔

"پھوپھا جی یا چاچا جی'..... جو بھی وہ تھے..... ان کے حصے میں آتے تکیے پر "نندیا آ جا رے آ جا...." کندہ تھا۔

محسن بھائی جان کے تکیے پر ہلکے گلابی دھاگے سے "شب بخیر....." لکھا تھا جب کہ نقطے پھولوں کی شکل میں کاڑھے گئے تھے۔ اس نے اپنا تکیہ دیکھا۔

"سرہانے میر کے آہستہ بولو۔"

"کیا دیکھ رہے ہو؟" محسن بھائی جان نے مسکرا کر کہا۔

"یہ ہماری زوجہ محترمہ کی کارگزاری ہے۔ ایسے ہی لاتعداد شاہکار وہ جہیز میں بھی لے کر آئی ہیں اور شاید میکے میں اپنی یاد کے طور پر یہ چند ایک نمونے چھوڑ گئی ہیں..... اور ہاں..... اپنے دوست کو یہاں بلا لو۔ آس پاس کے کئی گھرانے کھلی چھت' صحن یا برساتیوں میں سو رہے ہیں..... اس طرح تاک جھانک سے بے پردگی ہوتی ہے۔"

رات کو بھی ان سے دیر تک گپ شپ رہی اور حمید کو یہ جان کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ محسن بھائی پنجاب

Aneela Pakistanipoint

یونیورسٹی میں زراعت کی تعلیم حاصل کر چکے ہیں اور آج کل نارووال میں اپنی زمینوں کو اپنی تعلیم و ہنر سے فیض یاب کر رہے ہیں۔

"تعلیم کوئی بھی ہو' اس کا فائدہ اٹھانا چاہیے بلکہ میں تو کہتا ہوں' اس کا فائدہ دوسروں کو پہنچانا چاہیے۔ میں ڈاکٹر بھی بن سکتا تھا' کہیں کسی محکمے میں نوکری بھی کر سکتا تھا۔ اس سے بھی کسی نہ کسی کو فائدہ ہی ہوتا لیکن میں نے سوچا میری ذات پر سب سے زیادہ حق میرے ماں باپ کا ہے۔ جب ان کو ہی میری ذات سے کوئی سکھ نہیں پہنچے تو ایسی تعلیم کا کیا فائدہ۔ میرے والد ٹپیکل زمیندار ہیں اور انہوں نے اپنی زمینوں کو جی جان سے سینچا تھا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ میں ان کی اکلوتی اولاد نرینہ ہوں اگر شہر میں کسی اور کام دھندے سے لگ گیا تو وہ اس عمر میں کب تک یہ ذمّے داری اٹھا سکیں گے۔ زمینیں بیچنے کا تصور بھی ان کے لیے جان لیوا ہو سکتا تھا۔ اس لیے میں نے اپنی تعلیم کا رخ زراعت کی طرف موڑا۔ آج میری زمینیں پہلے کی نسبت تین گناہ منافع دے رہی ہیں اور میرے والد صرف منافع کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے خوش ہیں کہ میں نے ان کی روایت کو زندہ رکھا۔"

"اور چھینو باجی سے شادی..... میرا مطلب ہے کہ اتنے تعلیم یافتہ ہو کر آپ نے کیسے ایک ان پڑھ..... میرے کہنے کا مقصد....."

"ہاں میں سمجھ رہا ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ شہناز میرے تایا کی بیٹی ہے اور ہمارے ہاں اپنے ہی اپنوں کا بوجھ بانٹا کرتے ہیں۔ یہ ایسی کوئی لازمی شرط تو نہیں' خاندان سے باہر بھی رشتے ہو جایا کرتے ہیں کبھی کبھار لیکن اگر کوئی مسئلہ درپیش نہ ہو تو پھر بلاوجہ انکار کا کیا جواز؟ شہناز بالکل ان پڑھ نہیں۔ اس نے مڈل کیا ہے۔ آگے نہ پڑھنے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ پڑھنا نہیں چاہتی تھی یا پڑھ نہیں سکتی تھی۔ تب یہاں لڑکیوں کا ہائی اسکول نہیں تھا۔ اس کی شادی ہوئی تو اس کی چھوٹی بہن دسویں میں تھی کیونکہ تب تک ہائی اسکول بن چکا تھا لیکن دیکھو' اس نے میٹرک کرنے کے بعد اس لیے پڑھائی ترک نہیں کی کہ یہاں گرلز کالج نہیں۔ پرائیوٹ ایف اے کیا اور اب فیصل آباد کے گرلز کالج سے بی۔اے کر رہی ہے۔ روز ٹرین میں جاتی ہے' آتی ہے لیکن پڑھ رہی ہے پھر میں ناامید کیوں ہوتا۔ تائی امی بالکل نہیں پڑھیں لیکن بیٹی بی۔اے تک پہنچ گئی۔ میری بیوی مڈل تک پڑھی ہوئی ہے پھر میری بیٹی کیوں نہیں ڈاکٹری یا انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر سکتی۔"

حمید کے لیے یہ انکشاف تھا کہ مس پینو کالج جاتی ہیں۔ وہ تو بے بے کے بیان کی روشنی میں اسے آٹھویں فیل ہی سمجھتا رہا۔ غالباً بے بے کی معلومات پینو اور چھینو کے بارے میں ذرا مکس ہو گئی تھیں۔

✪✲✪

"ربا' سوہنیا مینہ وسا.....
سباں دی کوٹھی دانے پا....."

دیسی گھی سے تربتر ورقی پراٹھے' سوجی کا خوشبودار حلوا' آلو انڈے کی بھجیا اور میٹھی لسی کے بھاری ناشتے سے خوب سیر ہونے کے بعد وہ دودھ پتی کا مگ ہاتھ میں لے کر صحن میں ٹہل رہا تھا۔ ناشتا ٹھونس تو لیا تھا مگر اب طبیعت کی گرانی کسی ایک جگہ ٹک کر بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔ دودھ پتی کی پہلی چسکی لیتے ہی الائچی کی بھرپور مہک اور ذائقہ اسے بے اختیار چائے بنانے والے ہاتھوں کو دعائیں دینے پر مجبور ہو گیا۔ اس وقت ایسی ہی کسی ہاضم چیز کی اشد ضرورت تھی۔ وہ مگ ہاتھ میں لیے اوپر جانے کو تھا جب مدھم سُروں میں گنگنانے کی آواز اسے چونکا گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور دھیرے دھیرے اس جانب بڑھنا شروع کیا جہاں سے بڑے شد و مد کے ساتھ "مینہ برسانے اور دانے ڈالنے" کی دعائیں کی جا رہی تھیں۔ ہلکے نیلے کاٹن کے شلوار قمیص میں ملبوس' سفید ململ کا دوپٹا سر پر اوڑھے جس کے چاروں جانب نیلے کروشیے کی بیل تھی' وہ جو بھی تھی' بلاشبہ مسحور کُن آواز کی مالک تھی۔

"کون ہو سکتی ہے؟ مس پینو تو غالباً مجھ سے پردہ کر رہی ہیں یا پھر شاید ان سے پردہ کرایا جا رہا ہے' اس لیے وہ تو نہیں ہو سکتیں۔ مس میری کے نہ تو بال اتنے سیاہ اور ریشمی ہیں نہ ہی قدوقامت اتنی موزوں و مناسب

ہے۔ یہ سادہ سا انداز' یہ مدھر سُروں والی آواز اور یہ سبک ہاتھ پیر مس میری کے ہو ہی نہیں سکتے۔" اس نے لانبی انگلیوں والے بغیر کسی موزوں آرائش والے ہاتھ اور گول گول کبوتر کے رنگ والی ایڑیوں کو دیکھ کے سوچا۔

"باجی چھینو.....؟ یا پھر کل والی "شرلیوں" میں سے کوئی ایک؟" وہ ہنوز رخ موڑے موتیے کی کلیاں چن چن کر مٹی کے پیالے میں بھر رہی تھی۔ اپنا کام مکمل کر کے جیسے ہی اس نے رخ پھیرا تو سامنے حمید کو دیکھ کر چونک گئی۔ ہلکی ہلکی نمی لیے بالوں پر سے سفید دوپٹا ذرا سا سرک گیا۔ اس نے ایک کان کے پیچھے پلو اڑستے ہوئے سلام جھاڑا۔ حمید حیرت زدہ سا اس دھلے دھلے معطر و مصفا وجود کو دیکھ رہا تھا۔ جب تک وہ حواسوں میں آ کے سلام کا جواب دینے کے قابل ہوتا' وہ واپس پلٹ گئی۔

"پینو..... نی پینو' تیری ماسی کو تیرے ہاتھ کی الائچی والی دودھ پتی بڑی پسند آئی ہے' ایک کپ اور بنا کر لا۔"

"جی اچھا امی جان۔" وہ کچن کے اندر گھس گئی۔

"پینو..... اور یہ؟..... سرپرائزنگ..... امیزنگ..... بے بے کی چوائس اتنی فنٹاسٹک ہو سکتی ہے۔ اس کا تو اندازہ بھی نہیں تھا مجھے۔ خیر بے بے کا بھی کیا کنٹری بیوشن' میری لک ہی گڈ لک ہے۔ اتنا تو میں ڈیزرو کرتا ہوں آفٹر آل آئی ایم گریجویٹ۔"

"پینو باجی۔" میری نے کچن میں جھانکا۔

"آپ جانتی ہیں کہ میں ملک پتی نہیں ڈرنک کرتی۔ مجھے ذرا اسٹرونگ نی بنا کر دیں اور شوگر بھی کم ڈالیں' اونلی تھری اسپون۔" لاڈ سے فرمائش کی گئی۔

"نی کڑیے' شرم دا گھاٹا' کبھی خود بھی کوئی ہاتھ پیر ہلا لیا کر۔" اس کی والدہ محترمہ نے فلمی انٹری دی۔ "تیرے سے دو سال چھوٹی ہے پینو اور سارے کام کاج میں ہشیار ہے۔ سلائی کڑھائی' پکانا سجانا..... پڑھتی بھی ہے تیرے نخرے کم نہیں ہوتے۔"

"اوہ' پلیز مام۔" وہ پیر پٹخ کر رہ گئی۔ کہاں تو وہ ابھی اتنے ننھے پن سے اسے باجی پکار رہی تھی اور کہاں اس کی منہ پھٹ اور خطرناک حد تک صاف گو مام نے اس کی دو سال کی بڑائی کا بھانڈا پھوڑ دیا۔

"نی مشتری' مشتری..... عقل نوں ہتھ پا..... یہ فیشن نئیں کام آتے۔ جاچ (ہنر) فیدہ دیتی ہے۔"

"پلیز مام..... مشتری نہ کہا کریں' میری ہے میرا نام۔"

حمید کی ہنسی چھوٹ گئی۔ "میری..... مشتری....." اس نے بمشکل اپنے قہقہے کا گلا گھونٹا۔ اچانک اسے لگا جیسے وہ اس پر نہیں خود پر ہنس رہا ہے۔

"حمید..... ہوی..... میدا۔" شرمسار سا ہو کر وہ محسن بھائی جان کے پیچھے چل پڑا جو اپنے تایا جان..... پا ہاشم کی خصوصی دعوت پر ان کی فصلوں کا جائزہ لینے آئے تھے۔ جو پچھلے سال کی نسبت کم زرخیزی دے رہی تھیں۔ ان کے ساتھ سارا دن فصلوں' کھیتوں پر گزار کے..... کئی ایک قابل کاشت کاروں سے مل کر اسے اندازہ ہوا کہ بہت سے محسن بھائی جان اپنی تعلیم سے اپنی دھرتی کی گود ہری کیے ہوئے تھے۔ بہت سے چٹے ان پڑھ گنوار کسان اسے اپنی نسبت کہیں زیادہ باعلم لگے۔ کم از کم وہ کچھ تو جانتے تھے..... بیجوں کے بارے میں ہی سہی' چاہے کیڑے مار ادویات کے بارے میں ہی سہی... مگر کسی چیز کا علم تو رکھتے تھے۔

"اور میں کیا ہوں! مجھے کیا آتا ہے؟ کیا جانتا ہوں میں یہ میرا اصل ہے' میرے دادا' پردادا سبزیاں اگاتے رہے۔ میرے باپ نے ساری عمر سبزیاں بیچیں اور میں اتنا بھی نہیں جانتا تھا کہ توری بیل پر لگتی اور آلو کے درخت نہیں ہوتے بلکہ زمین کے اندر اگتے ہیں۔ دھان کو کب' کیسے اور کتنا پانی دیتے ہیں' یہ بھی نہیں جانتا..... ہمیشہ خود کو "گریجویٹ" کہہ کہہ کر داد دیتا رہا..... لیکن میری گریجویشن نے کسی کو کیا فائدہ پہنچایا؟ کسی کو چھوڑو' خود مجھے کیا فائدہ پہنچایا؟ اسلامیات اور ہسٹری جیسے آسان مضامین کے رٹے لگا لگا کر اور کمپارٹس لے لے کر میں نے بی۔اے کر تو لیا مگر اسلامیات..... کیا مجھے چھ کلمے بھی پورے آتے ہیں؟..... کیا اسلامیات کی کتابیں اتنے سالوں پڑھنے کے بعد بھی میں نے جمعے کی نماز بغیر بے بے کی ڈانٹ کے پڑھی ہے' باقی نمازیں تو خیر..... اور ہسٹری..... بوٹیاں اور رٹے..... دونوں امتحانی مرکز سے باہر

Aneela Rahimani

آنے کے بعد وہیں چھوڑ آیا کرتا تھا۔

"مجھے تو اپنے خاندان کی ہسٹری نہیں یاد، مغلیہ اور عباسیہ خاندان کی ہسٹری کہاں یاد رہتی۔ اس ڈگری کے بغیر میں کیا ہوتا..... اس کے ساتھ بھی میں کچھ نہیں ہوں اور اس میں قصور ڈگری کا نہیں، میرا ہے... میرا، جس نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ ہمیشہ کلرکی پر لعنت بھیج کر افسری اور کمشنری کے خواب دیکھتا رہا۔ کیا کلرک انسان نہیں ہوتے..... کیا سبزی فروش حق حلال کا نہیں کماتے..... کیا کوئی پیشہ باعزت نہیں ہے؟ کیوں نہیں ہے۔ جس کام سے چار لوگوں کے حلق میں نوالہ اترتا ہو باعزت کیسے نہیں ہو سکتا۔ یہ پھٹی ایڑیوں والے، سنگلاخ ہتھیلیوں والے محنت کش کسان، منہ اندھیرے..... ننگے پیر دھان کو پانی لگانے والے، زہریلے سانپوں کے ڈنگ کھاتے ہیں، کڑاکے کی سردیوں میں پسلیاں جماتے ہیں۔ تپتی آگ سی دوپہروں میں ننگے بدن ہل جوتتے ہیں..... میں تو شاید ان کے مقام تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ ان کی قدر تو پاہاشم اور محسن بھائی جیسے لوگ ہی جان سکتے ہیں۔"

کبھی وہ ایسے لوگوں میں اٹھا بیٹھا ہی نہیں تھا۔ ابا تھا تو اپنے کام سے کام رکھنے والا، گھر آکر تمباکو والے حقے کے کش لگا کر سارے دن کی تھکن اتارتا اور بے سدھ سو جاتا۔ بیٹے کے اطوار و تعلیم کے آگے احساس کمتری اور مرعوبیت کا شکار ہو کر اس نے کبھی اسے سمجھانے بجھانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ اس کے خیال میں بیٹے کو اتنی تعلیم دلا دی..... اب سمجھانا کیا، خود ہی سمجھ والا ہو گیا ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ تعلیم کے ساتھ تربیت ہمیشہ لازم و ملزم رہی ہے۔

بے بے کے دو کام تھے، بے تحاشا لاڈ اور اندھا دھند پھٹکار۔ دونوں فرائض وہ اپنے موڈ کے مطابق انجام دیتی اور خاصی دلجمعی کے ساتھ مگر یہ دونوں حمید کے کسی کام نہ آسکے بلکہ اس کی شخصیت میں اور بگاڑ لانے کا سبب بنے۔ لاڈ نے اسے خود سر، خود پسند اور کم عقل بنا ڈالا..... اور پھٹکار نے ڈھیٹ، بے غیرت اور خود غرض۔

آج شاید پہلی بار اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ مختلف لوگوں..... مختلف خیالات سے آگاہی ہوئی تھی۔

محمود بٹ کے بھی ایسے ہی تاثرات تھے۔ ایک دوسرے کی حقیقت عیاں ہو جانے کی خفت نے دونوں کو ذرا کھنچا کھنچا سا کیا ہوا تھا مگر اب جب اپنے ہونے کی "شرم" نہ رہی تو کھنچاؤ بھی دور ہو گیا۔

دونوں ہی ایک بالکل مختلف پس منظر سے ہونے کی وجہ سے خود کو اسکول اور کالج کے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں کر پائے تھے۔ امیر، مارڈرن اور ایجوکیٹڈ فیملیز سے تعلق رکھنے والے کلاس فیلوز کے سامنے خود کو ہکی سے بچانے کے لیے دونوں خود پر ملمع چڑھاتے گئے۔ ان کی کم عمری اور کم فہمی کے دور کا واقعہ تھا اور باشعور ہونے کے بعد بھی وہ خود فریبی کی اس لت سے چھٹکارا نہ پا سکے تھے۔ شاید اس کی وجہ وہی ماحول تھا جہاں وہ مس فٹ تھے مگر فٹ ہونے کی کوشش میں ہلکان ہو رہے تھے اور آج اس لت سے ناگواری محسوس ہو رہی تھی تو اس کی وجہ یہ خالص اور بے لوث ماحول تھا جہاں کے لوگ انہیں دل سے اپنا جان رہے تھے۔ قدر کر رہے تھے اور انہیں شرمندگی ہو رہی تھی کہ ایسا تو کچھ بھی نہیں تھا ان میں جس کی وجہ سے وہ اتنے احترام کے مستحق سمجھے جا رہے تھے۔

"آؤ بھئی، روٹی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ بسم اللہ کرو۔" پاہاشم کی آواز پر وہ اپنے خیالات کے بھنور سے نکلا۔ دن کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ بارہ بجے کے قریب پاصدیق نے اپنے ڈیرے پر ٹھنڈے ٹھار تربوز سے تواضع کی تھی مگر چلچلاتی دھوپ نے جسم کا سارا پانی مساموں کے راستے باہر نکال کر پھر سے تھکان اور بھوک کو غالب کر دیا تھا۔ پیپل کے چوڑے پتوں اور دور تک پھیلی ہوئی شاخ در شاخ چھت والے درختوں کی گھنی چھاؤں کے نیچے چارپائیاں بچھی تھیں۔ لسی سے بھرے مٹکے، دہی کے کٹورے، مسالہ لگے کھیرے، بیسن کی تندوری روٹیاں، لسوڑے کا اچار اور بیگن کا بھرتہ... دوپہر کے کھانے کے لوازمات تھے۔ خوب پیٹ بھر کے کھاتے ہوئے اسے یاد بھی نہیں رہا کہ چند گھنٹے قبل وہ ٹھونس ٹھنسا کر ناشتا کرنے پر خود کو سو سو

صلواتیں سنا چکا تھا۔

○*○

"ہا..... ہائے.... پائی جان' یہ کیا؟"

کمو مصلن نے اسے شیمپو کی بوتل' تولیا اور صابن اٹھائے غسل خانے کی طرف جاتے دیکھا تو ایک ہاتھ کمر..... بلکہ کمر اپر اور دوسرا ہاتھ بڑے اسٹائل سے اپنے پھاوڑا نما دانتوں پر رکھ کے حیرت سے پوچھا۔ یہاں سے وہاں تک ہاتھ پیر چھوڑ کر بیٹھی ناک پھولے ہوئے گالوں سے مزید جگہ کے حصول کے لیے نبرد آزما تھی۔

"یہ.... یہ شیمپو ہے۔ تم کیا اسے کڑھی سمجھ رہی ہو؟"

"ناں جی' اتنا تو مجھے پتا ہے کہ یہ سم پو ہے پر یہ آپ لگاؤ گے؟ تسی تے مرد ہو جی۔ مرد ہو کے سم پو اور صابون لگاؤ گے؟..... "کھی کھی کھی....." یہ تو زنانیوں کے استعمال کی چیزیں ہیں؟" وہ چڑ گیا۔ پاس سے گنڈیریاں چوستی گزرتی ماسی خورشید کے کان کھڑے ہو گئے۔

"ہائے میں مرجاواں..... یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ شرم دا گھاٹا' کڑیوں کے ساتھ زنانہ استعمال کی چیزوں کی باتیں ہو رہی ہیں؟ نی بھرجائی.... سنتی ہو' تیرے پیکے سے آیا منڈا کیا بے شرمی دکھا رہا ہے۔"

"لاحول ولا....." وہ سٹپٹا کے کمو مصلن کو دیکھنے لگا جو بے فکری سے سر کھجاتی جھاڑو پھیرنے لگی تھی۔

"واٹ مام..... کیوں بغیر وجہ کے CRY کرنے لگتی ہو۔ یہ کمو ایڈیٹ شیمپو کے بارے میں کہہ رہی ہے کہ یہ صرف لیڈیز کے لیے ہوتا ہے' جینٹس کے لیے نہیں۔"

مشتری عرف میری نے بروقت امدادی کمک پہنچائی۔ وہ چہرے پر کوئی ماسک لگائے ہوئے اندر سے نمودار ہوئی تھی۔

"دفع دور' یہ گاڑی جھاگ بھی کوئی سر صاف کرتی ہے؟ بندہ ہو چاہے زنانی' ایسی الٹی سیدھی چیزیں نہیں لگانی چاہئیں' جو بات کھٹی لسی سے سر دھونے میں ہے وہ صابنوں میں کہاں....." انہوں نے صلاح دی پھر دخترِ نیک اختر کو دیکھ کر ہڑبڑا گئیں۔

"لعنتیے' یہ چکڑ (کیچڑ) کیوں منہ پر تھوپ لیا ہے؟"

"مام یہ ماسک ہے..... ماسک....."

"اور کتنا ماس چڑھائے گی؟ کھا کھا کر اور بیٹھ بیٹھ کے نرا ماس ہی تو چڑھتا جا رہا ہے تجھ پر۔ مج بنتی جا رہی ہے۔" ایک بار پھر صاف گوئی کا مظاہرہ کیا گیا جس پر مشتری نے واک آؤٹ کا حربہ آزمایا۔

بے بے کی سخت وارننگ سے ڈر کر یا پھر پاشم کی چھترول اور گاؤں کے کتوں کے خوف سے وہ اپنی نیکروں کی کلیکشن تو ساتھ نہیں لایا تھا لیکن آج دو دن تک مسلسل شلوار قمیص میں ملبوس رہ رہ کر جب اسے اپنا آپ بے ڈول اور بے مہار سا محسوس ہونے لگا تو اس نے بیگ میں سب سے نیچے رکھا کاٹن کا کلر فل ٹراؤزر اور ٹی شرٹ نکالی جو ہزار ریڑھیوں پر سے چھان پھٹک کے بعد منتخب کی گئی تھی۔ نہا دھو کر جب وہ گہرے فیروزی رنگ کے ٹراؤزر جس پر آتشی گلابی بڑے بڑے پھول بنے تھے اور گلابی اور سفید لائننگ والی شرٹ پہن کے تولیے سے بال رگڑتا باہر نکلا تو سرخ اینٹوں والے صحن کو جھاڑو اور پانی کے پائپ کی مدد سے دھوتی کمو مصلن نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

"باؤ' تسی تے بالکل بڈھی میم لگ رہے ہو۔" اور باؤ نے بڈھی میم سے گبرو جوان بننے میں فقط چند سیکنڈ لگائے۔ ذرا سی دیر میں وہ پھر سے لٹھے کے کڑکڑاتے کلف زدہ شلوار کرتے میں ملبوس تھا۔

"مس پروین' کیا ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟"

اسے اتنا اندازہ تو ہو گیا تھا کہ پینو نہ تو اس سے پردہ کر رہی ہے نہ ہی اس کا باقاعدہ پردہ کرایا جا رہا تھا۔ بلکہ اس کا کم کم حمید کے سامنے آنا صرف اس کی محتاط اور سنجیدہ طبیعت کی وجہ سے تھا اور کچھ اسکی مصروفیات بھی اسے الجھائے رکھتی تھیں۔ گرمیوں کی تعطیلات کی وجہ سے کالج تو بند تھا لیکن گھر میں تین مختلف جگہ سے آئے ہوئے مہمانوں کی وجہ سے گھرداری کا زور تھا۔ دوپہر کے بعد گاؤں کی لڑکیاں اپنی اپنی کتابیں اٹھائے اس سے پڑھنے آتیں۔ بعض لڑکیاں سلائی اور کڑھائی سیکھنے بھی آتی تھیں۔ جو وقت بچتا وہ اس کی اپنی پڑھائی کے لیے مختص تھا۔ اس وقت بھی جب لڑکیوں کے پڑھ کر جانے

کے بعد پینو نے حسب معمول کچن کا رخ کیا تو وہ پیچھے ہی چلا آیا اور چائے کی فرمائش کی لیکن وہ سر کان لپیٹے ابلے آلو کاٹنے میں مصروف رہی۔ اس نے پھر دہرایا۔

"مس پروین، میں آپ سے مخاطب ہوں۔"

"مگر میرا نام پروین نہیں۔"

"تو پھر.....؟ پینو میرا مطلب ہے کہ..... چلیں پینو ہی سہی لیکن نک نیم بہرحال نک ہوتا ہے، اصل نام سے پکارنے پر آپ کو اعتراض کیوں ہے؟"

"کوئی اعتراض نہیں مگر پروین میرا اصل نام نہیں۔ میرا نام پری ناز بانو ہے۔" اس نے آلوؤں والا برتن پرے سرکایا اور چوکی پر بیٹھے بیٹھے ہی رخ پھیر کے نیچے لگے نلکے سے ہاتھ دھونے لگی۔

"پری ناز..... پری ناز بانو....." وہ حیرت سے دہرانے لگا۔ "کس نے رکھا تھا؟"

"ملانی جی نے۔ باجی کے نام شہناز کی مناسبت سے پری ناز رکھ دیا۔" اب اس نے سل پر امبی (کیری) کوٹنا شروع کردی۔

"خیر..... پری ناز نام رکھنے کے لیے صرف اتنی سی مناسبت کافی نہیں تھی..... اور بھی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں....." اس نے پھر سے تفصیلی جائزہ لیا۔

کالی سوتی شلوار میں سبک سے پیروں کی سفیدی نمایاں ہو رہی تھی اور سیاہ دوپٹی کی چپل کومل سی انگلیوں کو اور بھی حسین بنا رہی تھی۔ مسالا کوٹنے والے ڈنڈے پر سختی سے رکھے ہاتھوں کی سادگی غضب ڈھا رہی تھی، انگلیوں کی پوریں سفید پڑ رہی تھیں اور ہتھیلیاں گلابی ہو رہی تھیں۔ اس کے وجود کی آدھی سے زیادہ خوبصورتی اس کے ہاتھ پیروں میں تھی۔ انگوری سبز اور کالے پرنٹ کے قمیص دوپٹے میں اس کا تپش سے تمتماتا چہرہ بے حد دلکش نظر آرہا تھا، دوپٹے کی چھاؤں سے ڈھکی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں، کھڑی مغرور ناک میں چاندی کی کیل اور سختی سے بھنچے شگوفہ سے گلابی لب..... وہ پورے انہماک سے چٹنی پیسنے میں مصروف تھی۔ ڈنڈا ایک طرف رکھ کے اس نے چائے کا پانی چڑھایا اور جتانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"چائے ابھی بن جاتی ہے۔"

غالباً کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اپنی راہ لو، چائے بچ جائے گی..... لیکن وہ بھلا ایسے حسین نظارے کو چھوڑ کر اندر "ماسیوں کی میٹنگ" میں کس لیے جاتا۔ پری ناز نے کٹوری پر چٹنی الٹائی اور بے ساختہ انگلی چوستے ہوئے، زور سے آنکھیں میچ کے ایک کھٹ میٹھا سا چٹخارا لیا تو مسکراہٹ حمید کے لبوں پر کھٹے آموں کے کنوارے ذائقے کی طرح پھیل گئی۔

○✲○

"آج گاؤن ہے، جانا تو پڑے گا۔" ماسی تاجاں نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا۔ وہ اور محمود ابھی ابھی محسن بھائی جان کے ساتھ اندر داخل ہوئے تھے جہاں ایک گمبھیر مسئلہ زیر بحث تھا۔ پینو، چھینو، میری اور کمو مصلن سر نیہوڑے بیٹھی تھیں۔ ماسی خورشید شادو نائن سے ٹانگیں دبوا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ بڑے سُر میں..... ہائے ہائے بھی کی جا رہی تھی۔ بے بے اس سے ذرا فاصلے پر بیٹھی، پکے ہوئے جامن کھاتی، کینہ توز نظروں سے اپنی بہن کی خرانٹ نند کی مکاری ملاحظہ فرما رہی تھیں۔

"خیر تو ہے؟" بھائی جان نے پوچھا۔

"ہاں، خیر ہی ہے۔ "گاؤن" کا صدا (بلاوا) آیا ہے۔ ادھر خورشید کے گوڈے گٹے (گھٹنے، ٹخنے) درد کر رہے ہیں۔ کڑیوں کے ساتھ کون جائے۔ تم بھی خیر سے اپنے تاؤ کے ساتھ لاہور کی منڈی جا رہے ہو۔"

"تو کوئی بات نہیں، حمید ہے اور اس کا دوست محمود۔ یہ ساتھ چلے جائیں گے بلکہ ذرا رونق میلہ بھی دیکھ لیں گے۔" انہوں نے تجویز پیش کی جسے حمید نے رد کردیا۔

"لیکن بھائی جان میں اپنے ساتھ گاؤن وغیرہ نہیں لایا۔ یہ دو چار شلوار سوٹ ہیں یا پھر ایک جینز۔ ویسے بھی اتنی گرمی میں نائٹ گاؤن؟"

"او یار یہ گاؤن وہ والا نہیں۔" وہ ہنسنے لگے۔ پری ناز اور مشتری بھی ہنسی چھپاتی ایک دوسرے پر گرنے لگیں۔

"ڈھولک کی رسم کو "گاؤن" کہتے ہیں۔ پٹواری صاحب کی بڑی بیٹی کی اگلے جمعے کو شادی ہے۔ آج سے ڈھولک رکھی جا رہی ہے۔"

"ہاں تو اچھا ہے یہ بھی پنڈ کی رسمیں دیکھ لیں۔ کیسے ویاہ ہوتے ہیں ادھر۔ جاؤ کڑیو..... تیاری پھڑو (پکڑو)۔ یہ دونوں ہیں ناں تمہارے ویر۔ ان کے ساتھ چلی جاؤ۔" شادو نائن نے ٹانگیں دبانے کا شغل عارضی طور پر روکتے ہوئے دخل دیا اور محمود اور حمید سر سے پیر تک جھنجلا اٹھے۔

"ویر؟" دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ محمود نے تسلی دی۔ "ہاں ویر..... تم میری کے اور میں پینو کا ویر۔"

"ویس گڈ۔" وہ مطمئن ہو گیا اس درجہ بندی سے۔

"خالہ آپ بھی ساتھ چلی چلیں۔" محسن بھائی جان نے بے بے کو صلاح دی۔

"ناں پتر، چار دن ہو گئے۔ جس کام سے آئی ہوں وہ کیا ہی نہیں۔ آج ذرا اپنی بہن سے کچھ صلاح مشورے کروں گی۔ حمید نے کن انکھیوں سے پری ناز کی طرف دیکھا، وہ میری کے چٹکی بھرنے پر لجا کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

چٹا کٹ بیرے تے.....
کاسنی دوپٹے والئے.....
منڈا عاشق تیرے تے.....

کوٹھے پر دوسرے لڑکوں کے ساتھ چٹائی پر بیٹھ کے گپیں لگاتے وہ ساتھ ساتھ نیچے صحن سے آتے گیتوں سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس گیت کے بولوں کی بار بار کی تکرار اور پھر لڑکیوں کے ہنسی ٹھٹھول پر وہ چونک اٹھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ پری ناز نے کاسنی لان کا پرنٹڈ سوٹ پہن رکھا تھا جس کے پلین کاسنی دوپٹے پر ہم رنگ بیل لگی ہوئی تھی۔ یقیناً ان بولوں کے ذریعے اسے بھی چڑایا جا رہا ہو گا۔ وہ زیرِ لب مسکرانے لگا۔

"چڑھتی جوانی..... میری چال مستانی"

یہ آواز بلاشبہ مشتری کی ناک سے نکلی تھی۔ وہ بولنے کے لیے گلے کا اور گانے کے لیے ناک کا استعمال کیا کرتی تھی۔ مودا بڑا دل لگا کے سننے لگا۔ حمید نے مشکوک نظروں سے گھورا تو داد طلب لہجے میں کہنے لگا۔

"میری کی آواز حدیقہ کیانی سے کتنی ملتی ہے؟"

"اتنی ہی جتنی کہ عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کی لتا منگیشکر سے۔" سنجیدگی سے ملے جواب پر اس نے سرد ہنسا بند کر دیا۔

"پینو..... اب تیری باری ہے، چل چل نخرے نہ کر۔"

"اور کیا؟ بھلا کوئی ڈھولک تیری آواز کے بغیر بج سکتی ہے؟" ایک اور آواز آئی۔

"ہاں پینو باجی، وہ والا گائیں۔" میری نے فرمائش کی۔

"کوئی شہری بابو، دل لہری بابو
پگ باندھ گیا گھنگھرو.....
میں چھم چھم نچدی پھراں....."

ایک بار پھر ناک کو زحمت دی گئی۔

"رہن دے مشتری، تو اپنے سڑے بسے گانے اپنے پاس رکھ۔" کسی دل جلی نے ہاتھ جوڑے تھے۔ "یہ کوئی شادی ویاہ پر گانے والے گیت ہیں۔"

"ہاں بس، اب جب تک پینو گانا نہیں سنائے گی۔ میں بھی ڈھولک نہیں بجاؤں گی۔"

اور حمید جنجوعہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی جگہ سے اٹھ کر نیچے جھانکنا شروع کر دے۔ اگر آس پاس بیٹھے گاؤں کے دوسرے لڑکوں کا خیال نہ ہوتا تو شاید وہ بھی اوپر سے ایک فرمائشی نعرہ بلند کر دیتا۔

"گورے رنگ تے دوپٹیاں دی چھاں کر کے
دل لے جا، نکی جئی ہاں کر کے.....
دل لے جا، نکی جئی ہاں کر کے....."

بہت سی فرمائشوں کے جواب میں پری ناز نے شرماتے لجاتے، اس گیت کے چند بول گنگنائے۔ تمام تر جھجک کے باوجود آواز کا لوچ اور گداز دل میں اتر رہا تھا۔

"تو کیا مجھے پنجابی سونگ نہیں آتے؟ آتے ہیں۔"

مشتری نے اس کو ملنے والی تعریفوں سے متاثر ہو کر اعلان کیا۔ "آفٹر آل یہ ہمارا کلچر ہے۔"

"سب توں سوہنیا.....

ہاں ہاں.....

ہائے وے من موہنیا.....

ٹوں ٹوں.....

میں تیری ہو گئی.....ہاں ہاں

پیار وچ کھو گئی....."

میوزک کے ردھم کے ساتھ اس نے نور جہاں کی روح کو تڑپایا تو حمید اس کے زرخیز ذہن کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ جس نے گیت کے بولوں کے ساتھ ساتھ پورا آرکسٹرا ہاں ہاں اور ٹوں ٹوں کے صوتی تاثرات کے ساتھ واضح کر دیا تھا۔ مودے پر نظر پڑی تو وہ بری طرح شرما رہا تھا۔

"یہ تو کیوں امراؤ جان ادا والی ادائیں دکھا رہا ہے۔"

"تم نے سنا نہیں، مجھے "سب توں سوہنیا" کہہ رہی ہے۔"

"خوش فہمی ہے، وہ تمہیں ہاں ہاں اور ٹوں ٹوں کہہ رہی ہے۔"

✪✲✪

"میدے پائی جان، آپ کو ماسی جی بلا رہی ہیں۔" لالو نے نیچے سے حلق پھاڑ کر آواز دی۔

رات کو دیر تک رسم میں شریک رہنے کی وجہ سے صبح دن چڑھے اس کی آنکھ کھلی۔ کل رات وہ لوگ برآمدے کے بجائے چھت پر سوئے تھے اور اب تیزی سے پھیلتی دھوپ بھی اسے بستر سے اٹھانے میں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی۔ آنکھ کھولتے ہی کروٹ بدلنے پر اسے نیچے آنگن کا منظر دکھائی دیا۔ پری ناز حسبِ معمول مٹی کے کٹورے میں موتیے کی کلیاں چن رہی تھی۔ اس نے رات والا کاسنی سوٹ اب تک پہن رکھا تھا۔

"لالو، ذرا دیکھ..... اوپر جا کے..... مہمان اٹھے ہیں تو ناشتا بناؤں۔" اس نے بھائی سے کہا تو حمید کو شرارت سوجھی۔ چھت کی منڈیر بس ذرا سی اونچی تھی۔ نیچے سے اوپر کا اور اوپر سے نیچے کا منظر صاف دکھائی بھی دے سکتا تھا اور سنائی بھی۔ اس نے دھیمے سروں میں گنگنانا شروع کیا۔

"اِک پھل موتیے دا مار کے جگا سوہنیے.....

اِک پھل موتیے دا.....

مار کے جگا سوہنیے....."

اس نے چونک کر اوپر دیکھا۔ بے ساختہ ابھرتی مسکراہٹ پر بڑی مشاقی سے قابو پایا اور وہاں سے غائب ہونے میں پل کی دیر نہ لگائی۔ ایک ثانیے کو ملی نظریں اور لحظہ بھر کے لیے کھلی اس مسکراہٹ نے حمید کی کسلمندی میں ایک نشہ آمیز سا سرور شامل کر دیا اور یہ غنودگی تب بھک سے اڑ گئی جب لالو نے اسے بے بے کا بلاوا دیا۔ ناچار اسے بستر کی جان چھوڑنا پڑی۔

جیسے ہی اس نے پراٹھے کا آخری لقمہ نگلا۔ بے بے نے بغیر کسی تمہید کے اصل بات کہہ دی۔

"میدے، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس معاملے میں اور زبردستی ٹھیک نہیں۔ اگر تو پنڈ میں ویاہ نہیں کرنا چاہتا تو ٹھیک ہے..... تیری مان لیتی ہوں، خواہ مخواہ زبردستی کر کے تیری بھی ناراضی مول لوں اور اس نمانی کی زندگی برباد کروں۔ ٹھیک ہے پتر..... جیسی تیری خوشی، میں تاجاں کو سمجھا دوں گی۔ دکھ تو ہو گا بے چاری کو..... لیکن بات سمجھ جائے گی۔"

"بے بے..... بے بے..... بے بے....." وہ ہکلا کے رہ گیا۔

"اور کی؟ تو سمجھتا ہے میں تیری خوشی نہیں چاہتی۔ جیسے میرا چن پتر راضی..... اس میں، میں بھی خوش۔"

"لیکن بے بے..... وہ پینو..... ماسی..... پینو..... اصل میں پینو بری لڑکی نہیں..... دراصل میں اسے....."

"ہاں ہاں پتر، پتا ہے مجھے۔ پینو تو واقعی بہت چنگی کُڑی ہے بس تیرے لائق نہیں۔ کہاں وہ پنڈ کی سیدھی سادی، چپ چپیتی لڑکی، کہاں تو شہر کے کالج کا پڑھا، فیشنی منڈا۔ تیرے ساتھ تو اچی ہیل پہننے والی، کٹے بالوں والی، گٹ پٹ کرنے والی ہی سجے گی۔"

"بے بے، لیکن مجھے یہیں....." اس نے کہنے کی

Aneela pakistanipoint

کوشش کی۔

"یہیں.....؟" بے بے مسلسل اس کی بات کاٹ رہی تھیں "ہاں' ادھر وہ مشتری ہے' خورشید کی دھی..... خورشید تو بڑے تتے (گرم) مزاج کی ہے پتا نہیں کڑی کا مزاج کیسا ہو۔ نخرہ تو بڑا ہے لیکن اگر تجھے پسند ہے تو ٹھیک ہے میں بات کر لیتی ہوں۔ ہاں بھئی' صحیح ہے۔ اسی کے ساتھ تیرا جوڑ بجتا ہے۔ پتا نہیں مجھے پہلے خیال کیوں نہیں آیا۔ وہ بھی فیشنی ہے تیری طرح..... تیرے جیسے ہی انگریجی بھی مارتی ہے۔ اللہ ملائی جوڑی..... اِک اندھا' اِک کوڑی۔"

"بے بے' اپنی ہی کہے جانا' میری کبھی مت سننا۔" وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ "اس مشتری سیارے کا جوڑ میرے ساتھ نہیں' مودے کے ساتھ بجتا ہے۔"

"کیا بک رہا ہے' اسی مالیشیے کا پتر' وہ مودا' بڈھا گھوڑا؟"

خود ہی تو کہتی ہو کہ گھوڑا اور مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا اور وہ تو پھر چونتیس سال کا ہے۔ رہا اس کے باپ کا مالیشیا ہونے کا مسئلہ تو بقول مودے کے اس کے ابے اور مشتری کے باپ اور چچا میں گہرا یارانہ ہے۔ وہ لاہور جاتے ہی اپنی ماں کو مرید کے بھیجنے والا ہے اور تمہیں پتا ہے' اس کی ماں لاہور کی سب سے مشہور وچولن ہے' وہ تو جارج بش کا رشتہ صدام کی پھوپھی سے کرا دے اور چاہے تو معین اختر کی بات نکول کڈمین سے پکی کرا دے۔ اس خلائی مخلوق کا رشتہ حاصل کرنا کونسی بڑی بات ہے۔"

"چلو جی چھٹی ہوئی..... یعنی تیرے لیے میں برادری سے تو وہٹی نہیں لا سکتی۔" وہ مایوس ہو گئیں۔ "اب کسی لہورن سے "آڈا" لگانا پڑے گا۔"

"دل کیوں چھوٹا کرتی ہے بے بے۔" اس نے کہنے کی ہمت مجتمع کی۔ "آخر میں تیرا بیٹا ہوں..... تیری بات

مانا مجھ پر فرض ہے۔ تیری خواہش میں پوری نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔"

"ہیں..... ہیں..... کیا کہا؟" بے بے بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ اسی وقت پری ناز اس کے لیے چائے لے کر آئی۔ وہ چپ کر گیا۔

"بول نہ پتر، کتنی اچھی اچھی باتیں کر رہا تھا تو اور وہ بھی پہلی بار۔" پری ناز اس کے آگے کپ رکھ کر ناشتے کے برتن ٹرے میں رکھنے لگی۔

"میں یہ کہہ رہا تھا بے بے تو فکر نہ کر، تیرے دل کے ارمان ضرور پورے ہوں گے۔"

"ایک بات کہوں، آپ برا تو نہیں منائیں گے؟" پری ناز برتن اٹھا کے واپس لے جاتے ہوئے اچانک رک کر پوچھنے لگی۔ اس کے نفی میں سر ہلانے پر اس نے کہا۔

"آپ خالہ جان کے ساتھ تو تکار کے ساتھ کیوں بات کرتے ہیں۔ آپ کا ان کے ساتھ ایسا رشتہ تو نہیں۔ یہ بے تکلفی نہیں بدتمیزی اور بدتہذیبی ہے۔ کوئی جاہل گنوار شخص ایسا کرے تو بات ہضم بھی ہوتی ہے لیکن آپ تعلیم یافتہ ہیں، سمجھ دار ہیں۔ آپ کو ایسا رویہ سوٹ نہیں کرتا۔" وہ اپنی بات کہہ کر چلتی بنی اور حمید کو ایک نئی سوچ میں ڈال گئی۔

"یہ تو مجھے خیال ہی نہیں آیا کہ میں اسے کیسا لگتا ہوں۔ وہ میرے دل کو بھا گئی ہے تو اس کی کوئی وجہ ہے بلکہ ایک نہیں کئی وجوہات ہیں لیکن مجھے قبول کرنے کی اس کے پاس کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کیا ہوں میں؟ ایک سطحی سا، پچھورا، بناوٹی، جھوٹا اور نکما انسان..... لیکن اب تو میں اپنی خامیوں سے چھٹکارا پانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ بناوٹ، وہ ملمع، وہ جھوٹ کب کا چھوڑ دیا اور نکمے پن سے بھی توبہ کر لی ہے۔ واپس جاتے ہی ابا کے دوست چوہدری یار محمد کی فیکٹری کی جاب والی آفر قبول کر لوں گا۔ ٹھیک ہے..... سب ٹھیک ہے..... لیکن اسے کیا پتا... وہ اگر مجھے ناپسند کرتی ہے تو میں کس منہ سے.... بے بے کو..." اس نے سوچتے سوچتے کپ اٹھا کر لب سے لگا لیا۔ اس کی نگاہیں اب تک سامنے کے دروازے کی جانب تھیں۔ جہاں سے وہ اندر آئی تھی اور اس کے دل میں ایک نیا وسوسہ ڈال کے واپس چلی گئی تھی۔

"تو کچھ کہہ رہا تھا پتر؟"

"ہاں..... جی بے بے، میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ آپ....."

"یہ تو مجھے آپ آپ کہہ رہا ہے..... اور وہ بھی اس لڑکی کے کہنے پر؟" بے بے نے حیرت سے پوچھا۔

"جی بے بے، آپ کے کہنے پر بھی کہہ سکتا تھا مگر آپ نے کبھی ٹوکا ہی نہیں۔ بہت سی باتیں جو آپ سکھا سکتی تھیں مگر وقت نے سکھا دیں..... چلو..... دیر سے ہی سہی، سیکھ تو لیں۔" ایک افسردہ سا سانس بھر کر اس نے کپ واپس پرچ میں رکھنا چاہا تو چونک گیا۔ پرچ میں عین اس جگہ، جہاں سے اس نے کپ اٹھایا تھا موتیے کی ایک ادھ کھلی کلی پڑی تھی۔

"اِک پھل موتیے دا مار کے
جگا سوہنیے....."

"اور تم نے مجھے سچ مچ جگا دیا ہے پری ناز..... اگر آج، ابھی اسی وقت تم میرے حواسوں پر یہ موتیے کی کلی نہ مارتیں تو میں خواہ مخواہ کے بے نام اندیشوں میں گھر کے یہ موقع گنوا دیتا۔"

اس نے پری ناز کے اس خوبصورت اقرار کو، اس "نکی جی ہاں" کو اپنی مٹی میں بھر لیا۔

"اور بے بے، اب بھی وقت ہے۔ اگر آپ مجھے کچھ نہیں سکھا سکتیں تو پھر کسی سکھانے والی کا بندوبست کر دیں۔"

"ہیں؟ استانی رکھ دوں؟ اس عمر میں....؟"

"ہاں، پینو استانی، میرا خیال ہے کہ مجھے "مت دینے" کے لیے اس سے بہتر کوئی اور نہیں۔ کیا ارادہ ہے پھر؟ اس نے مسکراتے ہوئے بے بے کے حیرت زدہ چہرے کی طرف دیکھا، جہاں اس کی مسکراہٹ دھیرے دھیرے حیرت کو یقین میں بدل رہی تھی۔

○✱○

Aneela Pakistanipoint